نضر اللہ امرأ سمع منا حدیثاً فحفظہ حتی یبلغہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ

مدیر: حافظ زبیر علی زئی

شوال ۱۴۲۹ھ اکتوبر ۲۰۰۸ء

- رسول اللہ ﷺ کی سنت اور خلفائے راشدین
- امارتِ سفر کا حکم اور کاغذی تنظیمیں
- ضعیف روایات اور اُن کا حکم
- اتباعِ سنت کے تین تقاضے فعل، ترک اور توقف
- قرآن کی طرح حدیث بھی محفوظ ہے

مکتبۃ الحدیث

حضرو، اٹک: پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ

ماہنامہ الحدیث حضرو

نضر الله امرأً سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

جلد: 5 | شوال ۱۴۲۹ھ اکتوبر ۲۰۰۸ء | شمارہ: 10

قیمت

فی شمارہ : 20 روپے
سالانہ : 200 روپے
علاوہ محصول ڈاک
پاکستان: مع محصول ڈاک 250 روپے

خط وکتابت
مکتبۃ الحدیث
حضرو ضلع اٹک

ناشر حافظ شیر محمد
0300-5288783

مقام اشاعت
مکتبۃ الحدیث
حضرو ضلع اٹک

اس شمارے میں

کلمۃ الحدیث

ابو معاذ

حصولِ رزقِ حلال عبادت ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اے ایمان والو! ہم نے تمھیں جو پاک رزق دیا ہے، اُس میں سے کھاؤ اور اللہ کا شکرادا کرو اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو۔'' (البقرۃ:۱۷۲)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ تم پاک صاف اور حلال طیب چیزیں کھایا کرو اور میری شکر گزاری کرو۔ حلال لقمہ دعا اور عبادت کی قبولیت کا سبب ہے اور حرام کا لقمہ عدم قبولیت کا سبب۔'' (تفسیر ابن کثیر بتحقیق عبدالرزاق المہدی ۱/۴۲۰، تفسیر ابن کثیر اردو بتحقیق حافظ زبیر علی زئی ج ۱ ص ۲۸۶ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد/ لاہور)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'' لوگوں پر ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ آدمی کے ہاتھ میں جو بھی آئے گا، وہ اس کی پروا نہیں کرے گا کہ یہ حلال ہے یا حرام؟'' (صحیح بخاری:۲۰۵۹)

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: ''لونڈی جس کام یا ہنر کو نہ جانتی ہو تو اُسے اس پر مجبور نہ کرو، کیونکہ اگر تم ایسا کرو گے تو وہ زنا کے ذریعے سے پیسے کمانے پر آمادہ ہو جائے گی اور چھوٹے (غلام) بچوں کو کمائی پر مجبور نہ کرو کیونکہ اگر وہ کما نہیں سکیں گے تو چوریاں کریں گے۔ جب اللہ نے تمھیں معاف کر رکھا ہے تو تم بھی انھیں معاف کر دو، اور تم ایسے کھانے کھاؤ جو پاک و حلال ہیں۔'' (موطأ امام مالک ج ۲ ص ۹۸۱ ح ۱۹۰۴، وسندہ صحیح)

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ''ایک شخص لمبا سفر کرتا ہے، وہ پراگندہ بالوں والا اور غبار آلود ہوتا ہے، اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرتا ہے اور گڑ گڑا کر اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے لیکن اس کا کھانا پینا، لباس اور غذا سب حرام کی ہیں اس لئے اس کی ایسے وقت کی ایسی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔''

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۸۸ بحوالہ مسند احمد ۲/۳۲۸، ۴۰۰، صحیح مسلم: ۱۰۱۵، سنن الترمذی: ۲۹۸۹ وسندہ حسن)

رب العالمین اپنے پیارے رسولوں سے خطاب فرماتا ہے:

'' اے رسولو! پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک اعمال کرو۔'' (المؤمنون:۵۱)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' کوئی آدمی اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہترین کھانا کبھی نہیں کھاتا، بے شک اللہ کے نبی داود علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی میں سے کھاتے تھے۔'' (صحیح بخاری:۲۰۷۲)

بلکہ ایک روایت میں آیا ہے کہ بے شک نبی داود علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کے علاوہ نہیں کھاتے تھے۔ (صحیح بخاری:۲۰۷۳واللفظ لہ،صحیفہ ہمام بن منبہ:۴۷)

ان آیات اور احادیث کا خلاصہ درج ذیل ہے:

① پاک اور حلال کھانا پینا انبیاء ورُسل کی سنت ہے۔② حصولِ رزقِ حلال عبادت ہے۔

③ مشکوک اور ناپاک چیزوں سے ہمیشہ اجتناب کرنا چاہئے۔

④ اپنے ہاتھوں کی محنت سے حلال کمائی میں شرم نہیں کرنی چاہئے۔

⑤ لوگوں کے ہاتھوں کی طرف للچائی نظروں سے دیکھتے رہنا اُن لوگوں کا کام ہے جو انبیاء ورسل کے طریقے سے ہٹے ہوتے ہیں۔

⑥ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حرام خور انسان کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

⑦ کھانے پینے میں حسبِ استطاعت پوری احتیاط کرنی چاہئے۔

⑧ تھوڑے سے رزقِ حلال پر قناعت کرنا اور ہر قسم کی رطب ویابس سے بچنا بہت اعلیٰ درجے کی نیکی ہے۔ارشادِ نبوی ہے: اُس شخص کے لئے خوش خبری ہے جسے اسلام کی ہدایت نصیب ہوئی اور جسے ضرورت کے مطابق رزق دیا گیا تو اس نے قناعت اور صبر کیا۔

(سنن الترمذی:۲۳۴۹وقال: ''حسن صحیح'' وسندہ حسن وصححہ ابن حبان:۲۵۴۱والحاکم علیٰ شرط مسلم ۳۴/۱ ووافقہ الذہبی)

⑨ رزقِ حلال کھانے والے صحیح العقیدہ انسان کی دعا قبول ہوتی ہے۔

⑩ لَبید شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

فمنهم سعيد آخذ بنصيبه ومنهم شقي بالمعيشة قانع

لوگوں میں وہ خوش نصیب ہے جو اپنی قسمت پر راضی ہے۔

اور بدنصیب ہے وہ جو دنیا کی معیشت پر ہی مطمئن ہے۔

فقہ الحدیث

حافظ زبیر علی زئی

رسول اللہ ﷺ کی سنت اور خلفائے راشدین

١٦٤) وعن العرباض بن سارية قال قام رسول الله ﷺ فقال: ((أيحسب أحدكم متكئًا على أريكته يظن أن الله لم يحرم شيئًا إلا ما في هذا القرآن ؟ ! ألا و إني والله! قد أمرتُ ووَعظتُ ونهيتُ عن أشياء، إنها لمثل القرآن أو أكثر و إن الله لم يحلّ لكم أن تدخلوا بيوت أهل الكتاب إلا بإذن ولا ضرب نسائهم ولا أكل ثمارهم إذا أعطوكم الذي عليهم .))

رواه أبو داود و في إسناده: أشعث بن شعبة المصيصي قد تكلم فيه .

(سیدنا) العرباض بن ساریہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے پھر آپ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص اپنے تخت پر تکیہ لگائے ہوئے یہ سمجھتا اور گمان کرتا ہے کہ اللہ نے صرف وہی حرام کیا ہے جو قرآن میں ہے؟ سن لو! اللہ کی قسم میں نے کئی چیزوں کا حکم دیا، وعظ کرتے ہوئے خبردار کیا اور کئی چیزوں سے منع کیا، یہ قرآن کی طرح یا زیادہ ہے۔ اللہ نے تمھارے لئے اہل کتاب کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونا، ان کی عورتوں کو مارنا اور اگر وہ تمھارا حق ادا کر دیں تو اُن کے پھلوں میں سے کھانا حلال قرار نہیں دیا۔ اسے ابوداود (۳۰۵۰) نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں اشعث بن شعبہ المصیصی (راوی) پر کلام کیا گیا ہے۔

تحقیق الحدیث:

اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ اس روایت کا راوی اشعث بن شعبہ قولِ راجح میں ضعیف ہے، اسے صرف ابن حبان نے ثقہ قرار دیا اور ابوزرعہ وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام ابوداود سے اس کی توثیق ثابت نہیں ہے کیونکہ اس توثیق کا راوی مجہول الحال

ہے۔حافظ ذہبی نے اشعث بن شعبہ کے بارے میں کہا:

''ليس بقوي'' وہ قوی نہیں ہے۔ (دیوان الضعفاء:۴۷۳)

تحریر تقریب التہذیب (ج۱ص ۱۴۶ ت ۵۲۵) میں توثیق ابی داود وابن حبان کی وجہ سے اسے ''صدوق حسن الحديث'' قرار دیا گیا ہے جو کہ غلط ہے۔

نیز دیکھئے ''كشف الإيهام لما تضمنه تحرير التقريب من الأوهام'' ص۲۵٦

تنبیہ(۱): اشعث بن شعبہ کے علاوہ باقی سند حسن ہے۔

تنبیہ(۲): شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''إسناده حسن'' (صحیح ابی داود ج۸ص ۳۷۷ ح ۲٦۸٦)

چونکہ جمہور محدثین نے اشعث بن شعبہ کو ضعیف قرار دیا ہے اور وہ قولِ راجح میں ضعیف ہے لہٰذا اس روایت کے بارے میں شیخ البانی رحمہ اللہ کی تحقیق صحیح نہیں بلکہ صحیح یہی ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

١٦٥) وعنه قال :صلّى بنا رسول الله ﷺ ذات يوم ثم أقبل علينا بوجهه فوعظنا موعظة بليغة ذرفت منها العيون ووجلت منها القلوب. فقال رجل : يا رسول اللّٰه !كأن هذه موعظة مودّ ع فأوصنا فقال :((أوصيكم بتقوى اللّٰه والسمع والطاعة وإن كان عبدًا حبشيًا فإنه من يعش منكم بعدي فسيرى اختلافًا كثيرًا . فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها و عضوا عليها بالنواجذ و إيا كم و محدثات الأمور فإن كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة .))

رواه أحمد و أبودا ود والترمذي وابن ماجه إلا أنهما لم يذكرا الصلاة .

اور انھی (سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ہمیں نماز پڑھائی پھر آپ نے ہماری طرف چہرۂ مبارک کر کے انتہائی فصیح و بلیغ وعظ فرمایا جس سے آنسو بہہ نکلے اور دل خوف کی وجہ سے دہل گئے۔ایک آدمی نے کہا: یا رسول اللہ!

گویا یہ الوداعی (آخری) وعظ ہے لہٰذا ہمیں کچھ وصیت کریں، تو آپ نے فرمایا: میں تمھیں اللہ کے خوف، سننے اور اطاعت کرنے کا حکم دیتا ہوں اگرچہ (تمھارا حکمران) حبشی غلام ہو کیونکہ میرے بعد تم میں سے جو شخص زندہ رہا تو بڑا اختلاف دیکھے گا، تمھارے لئے ضروری ہے کہ میری اور خلفائے راشدین مہدیین کی سنت کو مضبوطی اور پوری طاقت کے ساتھ پکڑ لو، (دین میں) محدثات (نئے کاموں) سے بچنا کیونکہ ہر محدثہ (نیا کام) بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اسے احمد (۱۲۶/۴، ۱۲۷ ح ۱۷۲۷۵) ابو داود (۴۶۰۷) ترمذی (۲۶۷۶ وقال: ھذا حدیث حسن صحیح) اور ابن ماجہ (۴۳) نے روایت کیا ہے لیکن ترمذی اور ابن ماجہ نے نماز (پڑھانے) کا ذکر نہیں کیا۔

تحقیق: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

اسے امام ترمذی کے علاوہ حافظ ابن حبان (الاحسان: ۵، الموارد: ۱۰۲) حاکم (المستدرک ۹۵/۱، ۹۶ ح ۳۲۹) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔

حافظ بغوی نے کہا: ''**ھذا حدیث حسن**'' (شرح السنہ ۲۰۵/۱ ح ۱۰۲)

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث دو تابعین نے سنی ہے:

① عبدالرحمٰن بن عمرو بن عبسہ السلمی صدوق ہیں۔ دیکھئے الکاشف للذہبی (۱۵۸/۲) بلکہ جمہور کی توثیق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قولِ راجح میں وہ ثقہ ہیں۔

② حجر بن حجر الکلاعی کو صرف حافظ ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے لہٰذا وہ قولِ راجح میں مجہول الحال ہیں لیکن یاد رہے کہ اس حدیث میں وہ منفرد نہیں بلکہ عبدالرحمٰن بن عمرو: ثقہ صدوق نے اُن کی متابعت کر رکھی ہے۔ ان دونوں تابعین سے خالد بن معدان الشامی رحمہ اللہ ثقہ تابعی نے یہ حدیث سنی ہے اور سماع کی تصریح بھی ہے حالانکہ قولِ راجح میں خالد بن معدان تدلیس کے الزام سے بری ہیں۔

دیکھئے میری کتاب الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (ص ۳۸ ت ۲/۴۶)

خالد بن معدان سے ثور بن یزید (ثقہ وصحیح الحدیث / دیکھئے میری کتاب "نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام" ص۲۲) اور بحیر بن سعد (ثقہ ثبت/تقریب التہذیب: ۶۴۰) نے یہ حدیث بیان کی ہے۔

خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ والحمدللہ

فقہ الحدیث:

① وعظ کے دوران میں آدابِ شرعیہ کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے، ضرورت کے وقت خطیب سے سوال کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ مقصد فتنہ وفساد نہ ہو۔

② ایسے مسلمان حکمرانوں کی اطاعت ضروری ہے جو دینِ اسلام کو نافذ کرتے اور کتاب و سنت کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔ ایسے صحیح العقیدہ مسلمان حکمرانوں کے خلاف نہ تو خروج کرنا جائز ہے اور نہ منبروں پر علانیہ اُن کے خلاف تنقید جائز ہے۔

③ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہر حال میں اور ہر وقت حجت ہے۔ حافظ ابن حبان فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے ارشاد: ((پس میری سنت کو لازم پکڑو)) جب آپ کی امت میں اختلاف ہوگا، کے ذکر کے وقت میں واضح بیان ہے کہ جو شخص سنتوں (احادیث) کو مضبوطی سے پکڑتا ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ دیتا ہے، اس کے علاوہ آراء (رائے و قیاس) کی طرف توجہ نہیں دیتا تو وہ قیامت کے دن فرقۂ ناجیہ میں سے ہے، اللہ سے دعا ہے کہ وہ اپنے احسان کے ساتھ ہمیں اس میں شامل فرمائے۔ (الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ۱/۱۰۴ ح ۵)

④ خلفائے راشدین سے سیدنا ابوبکر الصدیق، سیدنا عمر بن الخطاب، سیدنا عثمان بن عفان اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم مراد ہیں جیسا کہ سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حسن لذاتہ حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھئے مشکوٰۃ المصابیح بتحقیقی (۵۳۹۵) سنن ابی داود (۴۶۴۶) اور سنن الترمذی (۲۲۲۶) وغیرہ

اس حدیث کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے علمائے اہلِ سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ خلفائے راشدین

چار ہیں۔اختصار کی وجہ سے دو بڑے سُنی علماء کے حوالے پیشِ خدمت ہیں:

۱۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا عقیدہ تھا کہ ابو بکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اجمعین خلفاء (یعنی خلفائے راشدین) میں سے ہیں۔ دیکھئے مسائل عبداللہ بن احمد بن حنبل (ج ۳ ص ۱۳۱۹ فقرہ: ۱۸۳۲، مسائل ابی داود ص ۲۷۷، السنۃ للخلال ص ۴۱۹ فقرہ: ۶۲۶ وغیرہ)

۲۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری السُنی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''**وكذلك نقول فأفضل أصحابه ﷺ الصديق أبو بكر رضي الله عنه ثم الفاروق بعده عمر ثم ذو النورين عثمان بن عفان ثم أمير المؤمنين و إمام المتقين علي بن أبي طالب رضوان الله عليهم أجمعين**''

اور اسی طرح ہم یہ کہتے ہیں آپ ﷺ کے صحابہ میں سب سے افضل ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ہیں پھر عمر الفاروق ہیں پھر ذوالنورین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں پھر امیر المومنین اور امام المتقین علی بن ابی طالب ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ (صریح السنہ ص ۲۴ فقرہ: ۲۴)

اس کے متصل بعد ابن جریر سُنی نے اپنی اس کتاب صریح السنۃ میں خلفائے راشدین کے بارے میں سیدنا سفینہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

⑤ خلفائے راشدین کی سنت سے کیا مراد ہے؟ اس کے تین حصے ہیں:

اول: جس بات پر خلفائے راشدین کا اتفاق ہے یا کسی ایک خلیفہ راشد سے ثابت ہے اور دوسرے خلفاء سے اس کی مخالفت ثابت نہیں ہے۔

دوم: جس بات پر خلفائے راشدین کا آپس میں اختلاف ہے۔

سوم: خلفائے راشدین میں سے کسی خلیفہ سے ایک بات ثابت ہے لیکن دوسرے صحابۂ کرام کا اس سے اختلاف ہے۔ حدیث مذکور میں صرف اول الذکر مراد ہے۔

یاد رہے کہ قرآن وحدیث کے صریح خلاف ہر شخص کی بات مردود ہے چاہے کہنے والا کوئی بھی ہو لیکن ہر ایرے غیرے کو خلاف قرار دینے کا حق نہیں بلکہ اس کے لئے سلف صالحین کی طرف ہی رجوع کرنا پڑے گا۔

٦ اہلِ حدیث (محدثین کرام اور متبعینِ حدیث) کے خلاف بعض آلِ تقلید یہ پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں کہ یہ تو خلفائے راشدین کے خلاف ہیں۔ اسی سلسلے میں پالن گجراتی نامی ایک شخص نے ''جماعت اہلِ حدیث کا خلفائے راشدین سے اختلاف'' نامی کتاب لکھی ہے جس میں کذب وافتراء اور مغالطات پر کاربند وگامزن رہتے ہوئے اس شخص نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اہلِ حدیث خلفائے راشدین کے خلاف ہیں۔ اس مناسبت سے خلفائے راشدین کے گیارہ حوالے پیشِ خدمت ہیں جن میں آلِ تقلید نے خلفائے راشدین کی صریح مخالفت کی ہے:

مثال نمبر ۱: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ ظہر کا وقت ایک ذراع سایہ ہونے سے لے کر آدمی کے برابر سایہ ہونے تک ہے۔ (الاوسط لابن المنذر ج ۲ ص ۳۲۸ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک عصر کا وقت ایک مثل ہونے پر شروع ہو جاتا ہے مگر اس فتوے کے مخالف آلِ تقلید کا یہ طرزِ عمل ہے کہ وہ دو مثل کے بعد عصر کی اذان دیتے ہیں۔

مثال نمبر ۲: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ صبح کی نماز پڑھو اور ستارے صاف گھنے ہوئے ہوں۔ (موطأ امام مالک ج ۱ ص ۶ ح ۶ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھتے تھے مگر اس فاروقی حکم کے سراسر مخالف آلِ تقلید خوب روشنی کر کے صبح کی نماز پڑھتے ہیں۔

مثال نمبر ۳: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پیشاب کیا پھر وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا۔ (الاوسط لابن المنذر ج ۱ ص ۴۶۲ وسندہ صحیح)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اس عمل کے مخالف آلِ تقلید کہتے ہیں کہ جرابوں پر مسح جائز نہیں ہے۔

مثال نمبر ۴: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جس نے سجدہ (تلاوت) کیا تو صحیح کیا اور جس نے سجدہ نہ کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے'' اور عمر رضی اللہ عنہ نے سجدہ نہیں کیا۔ (صحیح بخاری: ۱۰۷۷)

جبکہ آلِ تقلید یہ کہتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت واجب ہے۔

مثال نمبر ۵: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''وتر نماز کی طرح حتمی (واجب اور ضروری) نہیں ہے لیکن وہ سنت ہے پس اسے نہ چھوڑو۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۱۰۷ ح ۸۴۲ وسندہ حسن)

جبکہ آلِ تقلید کے نزدیک وتر واجب ہے۔

مثال نمبر ۶: عبدالرحمٰن بن ابزی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انھوں نے بسم اللہ جہراً (اونچی آواز سے) پڑھی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۴۱۲ ح ۴۷۵۷، شرح معانی الآثار للطحاوی ۱/۱۳۷، وسندہ صحیح)

جبکہ آلِ تقلید (نماز میں) کبھی اونچی آواز سے بسم اللہ نہیں پڑھتے۔

مثال نمبر ۷: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سورۃ الحج پڑھی تو اس میں دو سجدے کئے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۱۱ ح ۴۲۸۸، السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۳۱۷ وسندہ صحیح)

جبکہ آلِ تقلید اس سورت میں صرف ایک سجدے کے قائل ہیں اور دوسرے سجدے کو ''السجدة عند الشافعي'' کہتے ہیں!

مثال نمبر ۸: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ایک تابعی نے قراءت خلف الامام کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ''اِقرأ بفاتحة الکتاب'' سورۂ فاتحہ پڑھ، اس نے کہا: اگر آپ قراءت بالجہر کر رہے ہوں تو؟ انھوں نے فرمایا: اگرچہ میں جہر سے پڑھ رہا ہوں تو بھی پڑھ۔ (المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۲۳۰ وصححہ الحاکم والذہبی، نیز دیکھئے کتاب الکواکب الدریہ (ص ۸۴ تا ۹۰)

اس فاروقی حکم کے سراسر خلاف آلِ تقلید یہ کہتے پھرتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیے۔

مثال نمبر ۹: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو عورت بھی ولی کے بغیر نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے۔ الخ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۱۱۱، وقال: هذا إسناده صحیح)

جبکہ آلِ تقلید یہ کہتے ہیں کہ ولی کے بغیر نکاح ہو جاتا ہے۔

مثال نمبر ۱۰: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے صرف ایک رکعت وتر پڑھا اور فرمایا: ''هي وتري'' یہ میرا وتر ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۵ وسندہ حسن)

جبکہ آلِ تقلید یہ کہتے ہیں کہ ایک رکعت وتر جائز نہیں ہے۔

مثال نمبر۱۱: سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نماز میں رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد دونوں جگہ رفع یدین کرتے تھے۔ دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (ج۲ص۷۳ وسندہ صحیح)

اس حدیث کے بارے میں امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''**رواته ثقات**'' اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (ج۲ص۷۳)

آلِ تقلید کی طرف سے اس حدیث پر تین اعتراضات کئے جاتے ہیں:

۱۔ محمد بن عبداللہ الصفار نے سماع کی تصریح نہیں کی اور یہ روایت اس کے سوا کسی نے بیان نہیں کی۔

جواب: محمد بن عبداللہ الصفار کا مدلس ہونا ثابت نہیں ہے اور وہ اپنے استاذ سے بیان کر رہے ہیں لہٰذا یہ روایت سماع پر محمول ہے۔ الصفار مذکور ثقہ ہیں لہٰذا ان کا تفرد (اکیلے بیان کرنا) مضر نہیں ہے۔

۲۔ ابواسماعیل محمد بن اسماعیل السلمی پر کلام ہے۔

جواب: یہ کلام باطل ہے کیونکہ جمہور محدثین نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ ان کے بارے میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ثقہ حافظ ہیں، ابو حاتم (کے بیٹے) کا کلام ان کے بارے میں واضح نہیں ہے۔ (تقریب التہذیب: ۵۷۳۸)

۳۔ ابوالنعمان محمد بن فضل کا دماغ آخری عمر میں خراب ہو گیا تھا۔

جواب: اس کے دو جوابات ہیں:

اول: حافظ ذہبی فرماتے ہیں: ''**تغیر قبل موته فما حدّث**'' وہ اپنی موت سے پہلے تغیر کا شکار ہوئے تھے پس انھوں نے (اس حالت میں) کوئی حدیث بیان نہیں کی۔

(الکاشف ج۳ص۹۷ ت۵۱۹۷)

دوم: روایت مذکورہ میں امام محمد بن اسماعیل السلمی فرماتے ہیں: میں نے محمد بن الفضل کے پیچھے نماز پڑھی۔ الخ (السنن الکبریٰ ۲/۷۳)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث ان کے دماغ خراب ہونے سے پہلے کی ہے ورنہ جس کا دماغ خراب ہو جائے اُسے کون امام بناتا ہے؟ جس کا دماغ خراب ہو، اس کے پیچھے تو وہی نماز پڑھتا ہے جس کا اپنا دماغ خراب ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے رفع یدین کرنا ثابت ہے اور نہ کرنا ثابت نہیں جبکہ صدیقی حکم کے سراسر خلاف آلِ تقلید یہ کہتے پھرتے ہیں کہ رفع یدین نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ منسوخ یا متروک ہے۔ سبحان اللہ!

پالن دیوبندی نے قیام رمضان عرف تراویح کے دروازے سے داخل ہو کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ اہل حدیث خلفائے راشدین کے خلاف ہیں لیکن ہوا یہ کہ پالن خود اپنے جال میں پھنس گیا کیونکہ خلیفۂ راشد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے تو گیارہ رکعات ثابت ہو گئیں اور بیس رکعات کا بسند صحیح متصل نام و نشان تک نہ ملا، دوسرے یہ کہ آلِ تقلید نے خلفائے راشدین سے ثابت شدہ بہت سے مسائل کی مخالفت کر رکھی ہے جیسا کہ باحوالہ ثابت کر دیا گیا ہے۔

⑦ دین میں ہر بدعت گمراہی اور مردود ہے۔

⑧ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی فصیح و بلیغ وعظ فرماتے تھے جس کا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر بڑا اثر ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہر خوبی میں کامل بنا کر بھیجا۔

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ ید بیضا داری　　آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

⑨ ضرورت کے وقت نماز کے بعد وعظ کرنا جائز ہے۔

⑩ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو غیب کی بہت سی خبریں بذریعہ وحی بتا دی تھیں جن میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے اور غیب کی یہ خبر من و عن پوری ہوئی لہٰذا یہ حدیث بھی ان بہت سے دلائل میں سے ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول اور برحق نبی ہیں۔ فداہ أبي و أمي و روحي

اے اللہ! ہمیں قیامت کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جگہ عطا فرما اور آپ کی شفاعت کا مستحق بنا۔ اے اللہ! قبر کے عذاب اور روزِ محشر کی سختیوں سے بچانا۔ آمین یا رب العالمین

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

امارتِ سفر کا حکم اور کاغذی تنظیمیں

سوال: کیا سفر میں امیر بنانا جائز ہے؟ (خورشید احمد قصوری)

الجواب: سفر میں امارت کے بارے میں پانچ مرفوع احادیث مروی ہیں جن میں سے ایک بھی صحیح ثابت نہیں ہے، ان روایات کی تفصیل درج ذیل ہے:

① **عن عبداللّٰہ بن عمرو بن العاص رضي اللّٰہ عنہ**

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: **حدثنا حسن : حدثنا ابن لھیعۃ : حدثنا عبداللّٰہ ابن ھبیرۃ عن أبي سالم الجیشاني عن عبداللّٰہ بن عمرو أن رسول اللّٰہ ﷺ قال: ((.... ولا یحل لثلاثۃ نفر یکونون بأرض فلاۃ إلا أمّروا علیھم أحدھم)) إلخ**

(سیدنا) عبداللہ بن عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین آدمیوں کے لئے جو ویرانے بیابان میں رہتے ہیں، حلال نہیں ہے مگر یہ کہ وہ آپس میں سے ایک کو امیر بنا دیں یعنی امیر کے بغیر ان کے لئے رہنا حلال نہیں ہے۔

(مسند احمد ۲/۱۷۷ ح ۶۶۴۷)

اس روایت کی سند ابن لہیعہ کے اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ابن لہیعہ کے بارے میں تحقیق یہ ہے کہ وہ آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے لہٰذا اختلاط کے بعد ان کی ساری روایات (تفرد کی صورت میں) ضعیف ہیں، چاہے انھوں نے سماع کی تصریح کی ہو یا نہ کی ہو۔

اختلاط سے پہلے وہ حسن الحدیث تھے لہٰذا ان کی اختلاط سے پہلے والی روایت حسن ہوتی ہے بشرطیکہ سماع کی تصریح کریں کیونکہ ان کا تدلیس کرنا بھی ثابت ہے۔

درج ذیل شاگردوں نے اُن سے اختلاط سے پہلے سنا ہے:

عبداللہ بن المبارک، عبداللہ بن یزید المقرئ، عبداللہ بن وہب، عبداللہ بن مسلمہ القعنبی، یحییٰ بن اسحاق السیلحینی، ولید بن مزید، عبدالرحمٰن بن مہدی، اسحاق بن عیسیٰ، سفیان ثوری، شعبہ، اوزاعی، عمرو بن الحارث المصری، لیث بن سعد اور بشر بن بکر۔

دیکھئے میری کتاب الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (ص ۷۷، ۷۸)

روایتِ مذکورہ بالا میں ابن لہیعہ سے راوی الحسن بن موسیٰ الاشیب ہیں جن کا سماع قبل از اختلاط معلوم نہیں ہے لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

دیکھئے السلسلۃ الضعیفۃ (حدیث: ۵۸۹)

۲ عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه

عمار بن خالد الواسطی نے کہا: ''**ثنا القاسم بن مالك المزني عن الأعمش عن زيد ابن وهب قال قال عمر: إذا كان نفر ثلاث فليؤ مّروا أحدهم ، ذاك أمير أمره رسول الله ﷺ**''

(سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: اگر تین آدمی ہوں تو ایک کو امیر بنالیں، یہ وہ امیر ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے مقرر کیا ہے۔ (صحیح ابن خزیمہ ۴/۱۴۱ ح ۲۵۴۱، البحر الزخار للبزار ۱/۴۶۲ ح ۳۲۹، کشف الاستار ۲/۲۶۶، ۲۶۷ ح ۱۶۷۲، المستدرک للحاکم ۱/۴۴۳ ح ۱۶۳۲، وصححہ علیٰ شرط الشیخین ووافقہ الذہبی)

یہ روایت مجمع الزوائد (۵/۲۵۵) اور کتاب العلل للدارقطنی (۲/۱۵۱، سوال: ۱۷۶) میں بھی مذکور ہے۔

اس روایت کی سند میں سلیمان بن مہران الاعمش مشہور مدلس ہیں۔ (دیکھئے الفتح المبین ص ۴۳)

اور یہ روایت عن سے ہے لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

مدلس راوی کے بارے میں تین باتیں ہمیشہ مدِّ نظر رکھیں:

اول: اگر مدلس راوی ثقہ وصدوق ہو تو اس کی تصریح بالسماع والی روایت صحیح یا حسن ہوتی ہے۔

دوم: صحیح بخاری وصحیح مسلم میں مدلس راوی کی ہر روایت صحیح ہوتی ہے کیونکہ صحیحین کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور مدلسین کی روایات سماع اور متابعات پر محمول ہیں۔

سوم: اگر مدلس راوی سماع کی تصریح نہ کرے بلکہ عن وغیرہ سے روایت کرے تو اس کی روایت غیر صحیحین میں ضعیف ہوتی ہے۔

③ عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه

حاتم بن اسماعیل نے کہا: ''**حدثنا محمد بن عجلان عن نافع عن أبي سلمة عن أبي سعيد الخدري أن رسول اللّٰه ﷺ قال: ((إذا خرج ثلاثة في سفر فليؤمّروا أحدهم))**

(سیدنا) ابو سعید الخذری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تین آدمی سفر کے لئے نکلیں تو ایک کو امیر بنالیں۔

(سنن ابی داود: ۲۶۰۸، مسند ابی یعلیٰ ۲/۳۱۹ ح ۱۰۵۴، ۲/۵۱۱ ح ۱۳۵۹، السنن الکبریٰ للبیہقی ۵/۲۵۷)

یہ روایت السلسلۃ الصحیحہ (۳/۳۱۴ ح ۱۳۲۲) میں بھی مذکور ہے۔

اس روایت کی سند میں محمد بن عجلان مدلس ہیں۔

(طبقات المدلسین للحافظ ابن حجر/ المرتبۃ الثالثۃ ۳/۹۸، الفتح المبین ص ۶۰)

طحاوی نے بھی انھیں مدلس قرار دیا ہے۔ (دیکھئے مشکل الآثار ۱/۱۰۱، طبع قدیم، طبع جدید ۱/۲۳۷ ح ۲۶۱)

چونکہ یہ روایت عن سے ہے لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

④ عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه

حاتم بن اسماعیل نے کہا: ''**حدثنا محمد بن عجلان عن نافع عن أبي سلمة عن أبي هريرة أن رسول اللّٰه ﷺ قال:**

((إذا كان ثلاثة في سفر فليؤمّروا أحدهم .))

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر سفر میں تین آدمی ہوں تو ایک کو امیر بنالیں۔ (سنن ابی داود: ۲۶۰۹، السنن الکبریٰ للبیہقی ۵/۲۵۷)

اس روایت کی سند محمد بن عجلان مدلس کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

دوسری سند: محدث بزار کہتے ہیں:

''**حدثنا محمد بن جميل القطان الجند يسابوري :ثنا عبداللّٰه بن رشيد :ثنا محمد بن الزبرقان :ثنا ثور بن يزيد عن مهاصر بن حبيب عن أبي سلمة عن أبي هريرة قال قال رسول اللّٰه ﷺ :((إذا سافر ثم فليؤ مكم أقرؤ كم و إن كان أصغركم و إذا أمكم فهو أميركم .))** جب تم سفر کرو تو تمھارا سب سے بڑا قاری تمھیں نماز پڑھائے اگرچہ وہ سب سے چھوٹا ہو، جب وہ تمھارا امام بن جائے تو وہی تمھارا امیر ہے۔ (کشف الاستار للبزار ۲/۲۶۶ ح ۱۶۷۱)

اس روایت میں محمد بن جمیل جندیساپوری مجہول الحال راوی ہے جس کے حالات نہیں ملے۔ یہ وہ محمد بن جمیل نہیں ہے جسے ابن حبان نے کتاب الثقات (۹/۹۷) میں ذکر کیا ہے، باقی سند حسن ہے۔ اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد ہیثمی نے لکھا ہے:

''**وفيه من لم أعرفه**'' اس میں ایسا راوی ہے جسے میں نہیں جانتا۔ (مجمع الزوائد ۵/۲۵۵)

مجہول الحال راوی کی روایت ضعیف ہوتی ہے لہذا یہ روایت بھی ضعیف ہے۔

⑤ عن عبداللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنه

بزار نے کہا: ''**حدثنا إبراهيم بن المستمر :ثنا عبيس بن مرحوم :ثنا حاتم بن إسماعيل عن ابن عجلان عن نافع عن ابن عمر أن النبي ﷺ قال :**

((... وإذا كانوا ثلاثة في سفر فليؤمّروا أحدهم .))

(سیدنا) ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب سفر میں تین آدمی ہوں تو ایک کو امیر بنالیں۔ (کشف الاستار ۲/۲۶۷ ح ۱۶۷۳)

یہ روایت محمد بن عجلان کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

خلاصۃ التحقیق: سفر میں امیر بنانے والی تمام مرفوع روایات ضعیف یعنی مردود ہیں لہذا امارتِ سفر کو واجب یا بہتر قرار دینا غلط ہے۔

بعض لوگ ضعیف + ضعیف کرتے ہوئے ضعیف و مردود روایات کو جمع تفریق کے حساب سے حسن لغیرہ بنا لیتے ہیں بشرطیکہ یہ عمل اُن کی خواہشات کے مطابق ہو ورنہ اگر ایسی روایت اُن کی مرضی کے خلاف ہو تو اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ حسن لغیرہ کو ترک کرنے والے یہی لوگ ہوتے ہیں۔ صحیح تحقیق یہ ہے کہ ضعیف روایت ضعیف ہی رہتی ہے چاہے اس کی بہت سی سندیں ہوں اور صحیح روایت صحیح ہی ہوتی ہے چاہے اس کی صرف ایک ہی سند ہو۔ حسن لغیرہ کو حجت سمجھنے والے اپنے مخالفین کی ایسی بہت سی روایتوں کو رد کر دیتے ہیں جو اُن لوگوں کے اپنے اصول پر بھی حسن لغیرہ ہی بنتی ہیں۔!!

موقوف روایت: علی بن الجعد فرماتے ہیں: ''**أنا شعبة عن أبي إسحاق عن أبي الأحوص عن عبداللّٰه قال: إذا كنتم ثلاثة في سفر فأمروا أحدكم ....))**

(سیدنا) عبداللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: اگر تم سفر میں تین آدمی ہو تو ایک کو امیر بنا لیا کرو۔ (مسند علی بن الجعد ۱/۴۲۷ ح ۴۴۳ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ: ۴۳۰)

اس روایت کی سند صحیح ہے۔ اسے طبرانی نے عمرو بن مرزوق: ''**أنا شعبة إلخ** '' کی سند سے بیان کیا ہے۔ (دیکھئے المعجم الکبیر ۹/۲۰۸ ح ۸۹۱۵)

جلیل القدر صحابی کے اس فتوے سے معلوم ہوا کہ سفر میں امیر بنانا جائز ہے۔

تنبیہ: سفر میں امارت کے جواز پر قیاس کر کے کاغذی تنظیمیں بنانا اور اپنی اپنی تنظیم یا پارٹی کا امیر بن کر بیٹھ جانا اور پھر یہ دعویٰ کرنا کہ جس نے ہمارے امام یا امیر کی بیعت نہ کی تو وہ جاہلیت کی موت مر جائے گا، بہت بڑا دھوکا اور فراڈ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ تمام مسلمانوں کو کاغذی و نام نہاد تنظیموں، پارٹیوں اور کاغذی امیروں سے محفوظ رکھے جو خلافت اور امارتِ کبریٰ والی روایات و دلائل کو اپنے آپ پر فٹ کر دیتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تجھے کیا پتا ہے کہ امام کسے کہتے ہیں؟ جس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہو جائے، ہر آدمی یہی کہے کہ یہ امام (خلیفہ) ہے۔

(سوالات ابن ہانی: ۲۰۱۱، الحدیث: ۲۶ ص ۲۹، علمی مقالات ج ۱ ص ۴۰۳) [۱۰/ جولائی ۲۰۰۸ء]

حافظ زبیر علی زئی

ضعیف روایات اور اُن کا حکم

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علٰی رسولہ الأمین، أما بعد:

اُصولِ حدیث کی رُو سے قبول اور رد کے لحاظ سے حدیث کی دو قسمیں ہیں:

صحیح (مقبول) اور ضعیف (مردود)

دیکھئے اختصار علوم الحدیث لابن کثیر (۱/۹۹ مع الباعث الحثیث والشرح للالبانی رحمہ اللہ) اور تحفۃ اہل النظر فی مصطلح اہل الخبر لابی معاذ عبدالجلیل الاثری (ص ۳۷) وغیرہ

مولانا سلطان محمود محدّث جلالپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حدیث کی تقسیم مقبول اور غیر المقبول یا المردود کے اعتبار سے

المقبول: جس حدیث پر ائمہ سنت کے نزدیک عمل واجب ہو۔

غیر المقبول یا المردود: جس حدیث کے بیان کرنے والے کا صدق راجح نہ ہو۔''

(اصطلاحات المحدّثین ص ۹)

ڈاکٹر محمود طحان کویتی لکھتے ہیں: ''قوت وضعف کے لحاظ سے خبر آحاد کی تقسیم

خبر آحاد (مشہور، عزیز اور غریب) اپنی قوت وضعف کے لحاظ سے دو قسموں پر مشتمل ہے:

(ا) مقبول: وہ خبر ہے جو مخبر بہ یعنی نفس مضمون کی صداقت کے باعث ترجیح پا جائے، اس کا حکم یہ ہے کہ اسے بطورِ دلیل پیش کرنا واجب اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔

(ب) مردود: وہ خبر ہے جو مخبر بہ یعنی نفس مضمون کی عدم صداقت کے باعث ترجیح نہ پا سکے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ نہ اس سے استدلال کیا جا سکتا ہے اور نہ اس پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔'' (اصطلاحاتِ حدیث اردو ص ۳۹، واللفظ لہ، تیسیر مصطلح الحدیث ص ۳۲)

بعض علماء نے حدیث کی تین اقسام بیان کی ہیں:

صحیح ، حسن اور ضعیف ۔ دیکھئے علوم الحدیث لابن الصلاح عرف مقدمۃ ابن الصلاح مع التقیید والایضاح للعراقی (ص ۱۸، دوسرا نسخہ ص ۷۹) اور التقریب للنووی (ص۲) وغیرہ

چونکہ حسن بھی صحیح کی ایک قسم ہے لہٰذا اصل میں قبول اور رد کے لحاظ سے دو قسمیں ہی بنتی ہیں: صحیح اور ضعیف یا مقبول اور غیر مقبول (مردود)

صحیح حدیث حجت ہوتی ہے اور اس کی مشہور و مستند کتابیں صحیح بخاری و صحیح مسلم ہیں جنھیں امت کی تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے۔ ان کے علاوہ صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، صحیح ابن الجارود، سنن ابی داود، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور مسند احمد وغیرہ میں صحیح احادیث کثرت سے موجود ہیں۔

اہل سنت کے مشہور امام اور عظیم محدث احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی الہاشمی المطلبی رحمہ اللہ کا ذکر کیا اور فرمایا: ''**سمعته يقول :إذا صح عند كم الحديث عن رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه(وسلم) فقولوا حتى أذهب به في أي بلد كان**'' میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا: جب تمھارے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو مجھے بتا دو تا کہ میں اسے اپنا مذہب قرار دوں، جس علاقے میں بھی (یہ حدیث) ہو۔ (حلیۃ الاولیاء ۱۰۶/۹، وسندہ صحیح)

امام احمد ہی سے روایت ہے کہ (امام) شافعی نے مجھے فرمایا: ''**أنتم أعلم بالحديث والرجال مني فإذا كان الحديث صحيحًا فأعلموني : كوفيًا كان أو بصريًا أوشاميًا حتى أذهب إليه __ إذا كان صحيحًا .**'' تم حدیث اور رجال میں مجھ سے زیادہ جانتے ہو لہٰذا اگر صحیح حدیث ہو تو مجھے بتا دینا: کوفے کی حدیث ہو یا بصرے (عراق) کی یا شام کی (حدیث ہو) تا کہ میں اس پر عمل کروں بشرطیکہ حدیث صحیح ہو۔

(مناقب الشافعی للامام ابن ابی حاتم ص ۷۰ وسندہ صحیح)

ربیع بن سلیمان رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ (امام) شافعی نے ایک حدیث بیان کی تو ایک آدمی نے پوچھا: اے ابوعبداللہ! کیا آپ اس حدیث کو لیتے ہیں؟

تو انھوں نے فرمایا: جب بھی میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح حدیث بیان کروں پھر اس سے استدلال نہ پکڑوں تو اے جماعت! میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ میری عقل ختم ہو چکی ہے۔ (مناقب الشافعی للبیہقی ۱/۴۷۴ وسندہ صحیح)

امام شافعی رحمہ اللہ کے ان صحیح و ثابت اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) صحیح حدیث حجت ہوتی ہے۔ (۲) امام شافعی رحمہ اللہ متبعِ حدیث تھے۔ (۳) ایسی حدیثیں بھی ہوتی ہیں جو صحیح نہیں ہیں۔ (۴) غیر صحیح یعنی ضعیف حدیث حجت نہیں ہوتی۔ (۵) صحیح حدیث حجت ہے چاہے وہ مکے مدینے کی ہو یا عراق و شام وغیرہ کی ہو۔ (۶) حدیث کی جانچ پڑتال کے لئے اسماء الرجال کے ماہر محدثین کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ (۷) ہر وقت حق کی طرف رجوع کرنا چاہئے (۸) یہ ضروری نہیں ہے کہ مجتہد اور ہر بڑے عالم کو ہر حدیث اور ہر دلیل معلوم ہو۔ (۹) علماء کی یہ شان ہے کہ وہ ہمیشہ تواضع سے کام لیتے ہیں۔ (۱۰) صحیح احادیث کا انکار کرنے والے لوگ قرآن و حدیث اور اجماع کے انکار کے ساتھ سلف صالحین کے بھی مخالف ہیں۔ وغیر ذلك من الفوائد

ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((رحم اللّٰہ امرءً ا سمع مني حدیثًا فحفظه حتی یبلّغه غیره فرب حامل فقه إلٰی من هو أفقه منه و رب حامل فقه لیس بفقیه .))

اللہ اُس آدمی پر رحم کرے جو مجھ سے کوئی حدیث سُنے پھر اسے یاد کر لے حتیٰ کہ اسے دوسرے تک پہنچا دے کیونکہ بعض اوقات فقہ اُٹھانے والا، اُسے اس تک پہنچا دیتا ہے جو اس سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے اور بعض اوقات فقہ اُٹھانے والا فقیہ نہیں ہوتا۔ (صحیح ابن حبان: ۶۷ وسندہ صحیح)

اس حدیث پر حافظ ابن حبان نے باب باندھا ہے: ''ذکر رحمة اللّٰه جلّ وعلا من بلّغ أمة المصطفٰی ﷺ حدیثًا صحیحًا عنه .''

اس شخص کے لئے اللہ جل وعلا کی رحمت کا ذکر جو مصطفیٰ ﷺ کی اُمت تک آپ کی طرف سے صحیح حدیث پہنچا دے۔ (الاحسان ج ۱ ص ۲۰۷ قبل ح ۶۷)

صحیح حدیث کیا ہوتی ہے؟ اصولِ حدیث میں اس کی شرائط بیان کردی گئی ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

① ہر راوی عادل ہو۔

② ہر راوی ضابط ہو۔

عادل اور ضابط کے مجموعے کو ثقہ کہا جاتا ہے۔ اور اگر ضبط میں کچھ کمی یا شبہ ہو تو جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق راوی کو حسن الحدیث کہا جاتا ہے اور اس کی حدیث حسن لذاتہ ہوتی ہے جو صحیح حدیث کی ہی ایک قسم ہے۔

③ سند متصل ہو۔

④ شاذ نہ ہو۔

⑤ معلول نہ ہو۔ مثلاً دیکھئے اختصار علوم الحدیث (ص ۹۹ ج ۱ مع تحقیق الالبانی)

یہاں خواہشاتِ نفسانیہ اور فرقہ پرستی کا دخل نہیں بلکہ اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کو مدِّنظر رکھ کر، اللہ تعالیٰ کو عالم ناظر سمجھ کر عدل وانصاف کے ساتھ حکم لگایا جاتا ہے۔ جو شخص اس کے خلاف چلتا ہے تو اس کا حکم مردود ہوتا ہے۔

ضعیف روایت: اصولِ حدیث میں ضعیف روایت کو غیر مقبول اور مردود روایات کی ایک قسم قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً دیکھئے تیسیر مصطلح الحدیث (ص ۶۲)

احکام وعقائد میں تو سب علماء کے نزدیک ضعیف حدیث مردود ہے لیکن بعض علماء اسے ضعیف تسلیم کر کے فضائلِ اعمال وغیرہ میں اس کی روایت یا عمل کو مستحب قرار دیتے ہیں لیکن وہ اسے بعض شرائط کے ساتھ مشروط کر دیتے ہیں:

شرط اول: ضعف شدید نہ ہو، کذابین متہمین بالکذب اور فحش غلطیاں کرنے والے کی روایت نہ ہو، اس شرط پر اتفاق (اجماع) ہے۔

شرط دوم: کسی عام دلیل کے تحت درج ہو۔

شرط سوم: عمل کے وقت اس کے ثبوت کا عقیدہ نہ رکھا جائے۔

(دیکھئے القول البدیع فی فضل الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع ص ۲۵۸)

شرط چہارم: عامل کو یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

(تبیین العجب بما ورد فی فضائل رجب لابن حجر ص ۲۷)

شرط پنجم: مدح اور ذم کے لحاظ سے اس حدیث کا حکم شریعت میں ثابت ہو۔

شرط ششم: یہ ضعیف روایت صحیح حدیث کی تفصیلات وغیرہ پر مبنی نہ ہو۔ دیکھئے حکم العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال لابی الیسر اشرف بن سعید المصری (ص ۵۵)

اتنی شرطوں پر عمل کرنے کے لئے حدیث کی تخریج اور سند کی تحقیق کرنی ضروری ہے۔

جب تحقیق آئے گی تو ضعیف روایتوں کی جگہ صحیح روایتیں لے لیں گی۔

علمائے کرام کا دوسرا گروہ ضعیف روایات پر عمل کا قائل نہیں چاہے عقائد و احکام ہوں یا فضائل و مناقب اور اسی گروہ کی تحقیق راجح ہے۔ اس گروہ کے جلیل القدر علماء کے آثار میں سے دس حوالے پیشِ خدمت ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ علماء ضعیف حدیث کو حجت نہیں سمجھتے تھے:

① بُشَیر بن کعب العدوی (تابعی) رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے حدیثیں بیان کرنا شروع کر دیں: ''قال رسول اللّٰہ ﷺ قال رسول اللّٰہ ﷺ'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نہ اُن کی حدیثیں سنیں اور نہ اُن کی طرف دیکھا۔

دیکھئے صحیح مسلم (ترقیم دارالسلام: ۲۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ مرسل روایات کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔

حافظ ابن حجر العسقلانی نے بھی اس واقعے سے یہی سمجھا ہے۔

دیکھئے النکت علیٰ ابن الصلاح (۲/۵۵۳، النوع التاسع: المرسل)

جب مرسل روایت جو کہ ضعیف احادیث کی ایک قسم ہے، حجت نہیں ہے تو دوسری ضعیف روایات بدرجۂ اولیٰ حجت نہیں ہیں۔

② امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
''یہ اور اسکے مثل جو ہم نے اہل علم کا کلام ذکر کیا (جرح وتعدیل رواۃ کے متعلق) ان رواۃ حدیث کے بارے میں جو مُتہم ہیں (کسی عیب کے ساتھ) اور ان کے عیوب کے بارے میں اطلاعات جو ذکر کریں ان کا سلسلہ بہت زیادہ ہے اور اگر ان سب کا استقصاء کیا جائے تو کتاب طویل تر ہو جائے گی۔ اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے (ان علماء کا کلام) یہ ہر اس شخص کیلئے کافی ہے جو اہل الحدیث کا مذہب سمجھ جائے کہ اس بارے میں انہوں نے کیا کہا اور اسے کھول کر بیان کر دیا۔ اور علماء حدیث نے رواۃ حدیث اور ناقلینِ اخبار کے عیوب کو کھول کر واضح کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا اور ان کے عیوب پر فتویٰ دینے کا اہتمام کیا اس وقت جب ان سے اس بارے میں پوچھا گیا، کیونکہ اس میں بہت عظیم خطرہ تھا۔ اور وہ یہ کہ احادیث وروایات دین کے معاملہ میں جب آئیں گی تو وہ یا تو کسی امر حلال کے بیان کیلئے ہوگی یا حرام کے۔ یا کسی کام کے حکم پر مشتمل ہوگی یا نہی پر۔ یا اس میں کسی کام پر ترغیب دلائی گئی ہوگی یا کسی کام سے ڈرایا گیا ہوگا۔ تو اگر وہ راوی صدق وامانت سے متصف نہ ہو اور پھر اس سے کوئی ایسا شخص روایت کرے جو اسکے حال سے واقف ہونے کے باوجود ان لوگوں سے جو اسکے عیب سے ناواقف ہیں اسکے عیب کو بیان نہ کرے تو وہ روایت کرنے والا اپنے اس فعل سے گناہگار ہوگا اور عوام مسلمین کو دھوکہ دینے والا ہوگا۔ کیونکہ ان روایات و احادیث کو جو بھی سنے گا وہ ان پر ایمان لا کر عمل کریگا یا ان میں سے بعض پر عمل کریگا۔ اور بہت ممکن ہے وہ تمام مرویات یا ان میں سے اکثر مرویات صرف کذب وجھوٹ پر مبنی ہوں۔ انکی کوئی اصل نہ ہو۔ حالانکہ صحیح احادیث ثقہ راویوں سے اور ایسے رواۃ سے جنکی روایت پر قناعت واعتماد کیا جا سکتا ہے اتنی کثرت سے مروی ہیں کہ کسی غیر ثقہ اور غیر معتمد راوی کی روایات کی طرف کوئی احتیاج بھی نہیں ہے...اور جن لوگوں نے اس قسم کی ضعیف اور مجہول الاسناد احادیث روایت کرنے کی ٹھانی ہے اور ان ضعیف احادیث کے ضعف اور خرابی کو جاننے کے باوجود اسے روایت کرنے کی عادت میں مبتلا ہیں میں سمجھتا ہوں کہ ان

میں سے اکثر وہ لوگ ہیں جنہیں ایسی روایات واحادیث کی روایت کرنے اور اس کی عادت بنانے پر اس بات نے آمادہ کیا کہ وہ اس طریقہ سے عوام الناس کے سامنے اپنا کثیر العلم والحدیث ہونا ثابت کریں اور اسلئے تا کہ کہا جائے کہ فلاں نے کتنی ہزار احادیث جمع کی ہیں۔ اور علمِ حدیث میں جو شخص اس راہ پر چلا اور اس طریقہ کو اختیار کیا تو علم حدیث میں اسکا کوئی حصہ نہیں ہے اور اس کو جاہل کہنا اسے عالم کہنے کی بہ نسبت زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے۔''
(مقدمہ صحیح مسلم مطبوعہ دارالاشاعت کراچی ج ۱ص ۱۸۵، ۱۸۶، مع شرح النووی ۱/۱۲۳۔۱۲۷، صحیح مسلم مطبوعہ دارالسلام ص ۱۹، رقم: ۹۲)

امام مسلم کے اس طویل کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ احکام ہوں یا ترغیب وترہیب (فضائل وغیرہ) ہر حال میں ضعیف حدیث حجت نہیں ہے۔

ابن رجب حنبلی لکھتے ہیں: ''**وظاهر ما ذكره مسلم في مقدمة كتابه أنه لا تروى أحاديث الترغيب والترهيب إلا عمن تروى عنه الأحكام** ''مسلم نے اپنی کتاب (صحیح مسلم) کے مقدمے میں جو ذکر کیا ہے اس کا ظاہری معنی یہ ہے کہ ترغیب و ترہیب (فضائل وغیرہ) میں بھی انھی راویوں سے روایتیں بیان ہونی چاہئیں جن سے احکام کی روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ (شرح علل الترمذی ج ۱ص ۷۴)

③ امام سعد بن ابراہیم رحمہ اللہ نے فرمایا:

''**لا يحدّث عن رسول الله ﷺ إلا الثقات**''

رسول اللہ ﷺ سے صرف ثقہ راوی ہی حدیث بیان کریں۔ (مقدمہ صحیح مسلم طبع دارالسلام: ۳۱)

معلوم ہوا کہ امام سعد بن ابراہیم رحمہ اللہ غیر ثقہ وضعیف راویوں کی روایات کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔

④ ابواسحاق ابراہیم بن عیسیٰ الطالقانی رحمہ اللہ نے امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ کے سامنے ایک منقطع روایت فضائل میں بیان کی تو انھوں نے اس پر کلام کرکے رد کر دیا۔ دیکھئے مقدمہ صحیح مسلم (ص ۱۱ رقم: ۳۲)

⑤ ابن لہیعہ نے ایک حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص عصر کے بعد سو جائے پھر اس کی عقل زائل ہو جائے تو وہ صرف اپنے آپ کو ہی ملامت کرے۔

مروان بن محمد الطاطری (ثقہ) فرماتے ہیں کہ میں نے رمضان میں دیکھا، لیث بن سعد (رحمہ اللہ) عصر کے بعد سو گئے تو میں نے پوچھا: اے ابوالحارث! آپ عصر کے بعد کیوں سو جاتے ہیں اور ہمیں ابن لہیعہ نے عقیل عن مکحول کی سند سے حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص عصر کے بعد سو جائے پھر اس کی عقل زائل ہو جائے تو وہ اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔ (امام) لیث نے فرمایا: ''**لا أدع ما ینفعني بحدیث ابن لهیعة عن عقیل**'' مجھے جو چیز فائدہ دیتی ہے، میں اسے ابن لہیعہ کی عقیل سے روایت کی بنا پر نہیں چھوڑ سکتا۔

(الکامل لابن عدی ج۴ ص۱۴۶۳، وسندہ حسن، دوسرا نسخہ ج۵ ص۲۳۹، ۲۴۰)

معلوم ہوا کہ امام لیث بن سعد المصری رحمہ اللہ بھی ضعیف حدیث کو حجت نہیں سمجھتے تھے چاہے مسئلہ فضائل کا ہو یا احکام وغیرہ کا۔ نیز دیکھئے الضعیفۃ للالبانی (۱/۵۷ ح۳۹)

⑥ امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ امام زہری اور قتادہ رحمہما اللہ کی مرسل روایات کو کچھ بھی نہیں سمجھتے تھے اور فرماتے: ''**هو بمنزلة الریح**'' یہ ہوا کی طرح ہیں۔

(المراسیل لابن ابی حاتم ص۳ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ بھی ضعیف روایات کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔

⑦ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: زہری کی مرسل روایتیں کچھ چیز بھی نہیں ہیں۔

(المراسیل لابن ابی حاتم ص۳ وسندہ صحیح، تاریخ ابن معین روایۃ الدوری: ۱۰۲۷)

ثابت ہوا کہ امام ابن معین رحمہ اللہ بھی ضعیف روایات کو کچھ چیز نہیں سمجھتے تھے۔

⑧ امام ابن حبان نے فرمایا: گویا جو ضعیف روایت بیان کرے اور جس روایت کا وجود ہی نہ ہو وہ دونوں حکم میں برابر ہیں۔ (کتاب المجروحین ۱/۳۲۸، الحدیث حضرو: ۵ ص۱۵)

⑨ امام ابوحاتم الرازی اور امام ابوزرعہ الرازی کا آپس میں قنوتِ وتر میں ہاتھ اٹھانے پر مباحثہ ہوا تو امام ابوحاتم نے ایک روایت پیش کی، امام ابوزرعہ نے اس کے راوی لیث بن

ابی سلیم پر اشارتاً جرح کر دی، ابو حاتم نے دوسری روایت پیش کی تو ابو زرعہ نے اس کے راوی ابن لہیعہ کا ذکر کیا، ابو حاتم نے تیسری روایت پیش کی تو ابو زرعہ نے اس کے راوی عوف(!) پر اشارتاً جرح کی، پھر جب ابو حاتم نے ان سے ہاتھ نہ اٹھانے کی دلیل پوچھی تو انھوں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی (صحیح مشہور) حدیث پیش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوائے استسقاء کے کسی دعا میں (بہت زیادہ) ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے۔ پھر ابو حاتم الرازی خاموش ہو گئے۔ دیکھئے تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۷۶ ت ۴۵۵ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ امام ابو زرعہ الرازی رحمہ اللہ ضعیف حدیث کو فضائل میں بھی حجت نہیں سمجھتے تھے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام ابو زرعہ نے فرمایا:

مرسل سے حجت نہیں پکڑی جاتی اور حجت صرف صحیح متصل سندوں سے ہی پکڑی جاتی ہے۔
(المراسیل لابن ابی حاتم ص ۷)

درج بالا قصے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام ابو زرعہ حسن لغیرہ کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔

⑩ جعفر بن ابی وحشیہ ایک ثقہ راوی ہیں لیکن امام شعبہ اُن کی حبیب بن سالم (صدوق راوی) سے روایت کو ضعیف سمجھتے تھے۔ (دیکھئے تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۱۵۷، وسندہ صحیح) وجہ یہ تھی کہ انھوں نے حبیب بن سالم سے نہیں سُنا تھا۔
(دیکھئے تہذیب الکمال ۸ جلدوں والا نسخہ ج ۱ ص ۴۵۴)

معلوم ہوا کہ امام شعبہ بھی ضعیف حدیث کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔

عصرِ حاضر میں شیخ احمد محمد شاکر المصری رحمہ اللہ حدیث کے مشہور عالم تھے جن کی خدمات علمائے حدیث سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ احمد شاکر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''والذي أراه أن بيان الضعف فى الحديث الضعيف واجب في كل حال، لأن ترك البيان يوهم المطلع عليه أنه حديث صحيح، خصوصًا إذا كان الناقل له من علماء الحديث الذين يرجع إلى قولهم في ذلك و أنه لا فرق بين الأحكام و بين الفضائل و نحوها في عدم الأخذ بالرواية الضعيفة بل لا

حجة لأحد إلا بما صح عن رسول اللّٰه ﷺ من حديث صحيح أو حسن ''

میں یہ سمجھتا ہوں کہ ضعیف حدیث کا ضعف بیان کرنا ہر حال میں واجب ہے کیونکہ بیان نہ کرنے سے دوسرے آدمی کو یہ وہم ہوسکتا ہے کہ یہ صحیح حدیث ہے، خاص طور پر جب اس کا نقل کرنے والا علمائے حدیث میں سے ہو جن کے اقوال کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، اور یہ کہ ضعیف روایت لینے میں احکام اور فضائلِ اعمال وغیرہ میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ صحیح یا حسن حدیث کے علاوہ کسی کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ (شرح الفیۃ السیوطی ص۸۴)

شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ اعلان فرماتے ہیں کہ

''**إننا ننصح إخواننا المسلمين في مشارق الأرض ومغاربها أن يدعوا العمل بالأحاديث الضعيفة مطلقاً و أن يوجهوا همتهم إلى العمل بما ثبت منها عن النبي ﷺ ففيها ما يغني عن الضعيفة و في ذلك منجاة من الوقوع فى الكذب على رسول اللّٰه ﷺ** ''

ہم دنیا کے مشرق ومغرب میں رہنے والے اپنے مسلمان بھائیوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ ضعیف احادیث پر مطلقاً عمل چھوڑ دیں اور اپنی ہمتوں کا رُخ نبی ﷺ سے ثابت شدہ احادیث کی طرف موڑ دیں کیونکہ اس میں ضعیف روایات سے بے نیازی ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ میں واقع ہونے سے نجات ہے۔ (مقدمہ صحیح الجامع ج اص ۵۶)

مزید تفصیل کے لئے ابوالیسر اشرف بن سعید المصری کی کتاب ''**حكم العمل بالحديث الضعيف في فضائل الأعمال**'' وغیرہ جیسی کتبِ مفیدہ کا مطالعہ کریں۔

ہمارے شیخ حافظ عبدالمنان نورپوری حفظہ اللہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

''ضعیف روایت قابلِ احتجاج نہیں خواہ کسی صحیح یا حسن کے مقابلے میں ہو خواہ نہ ہو تفصیل کی اس وقت فرصت نہیں اگر آپ تفصیل معلوم کرنا چاہتے ہیں تو صحیح جامع صغیر اور ضعیف جامع صغیر کے آغاز میں شیخ البانی حفظہ اللہ تعالیٰ کا مقدمہ ملاحظہ فرمالیں''

(احکام ومسائل جلد اول ص ۵۷۳ نوشتہ ۱۴۱۱/۸/۲۵ھ)

اہلِ حدیث اور غیر اہل حدیث کے عمل سے بھی ضعیف روایات کا حجت نہ ہونا ثابت ہے مثلاً ترکِ رفع یدین کی ضعیف روایات کو عام اہلِ حدیث علماء ضعیف کہہ کر رد کر دیتے ہیں اور اسی طرح حنفی علماء فاتحہ خلف الامام کی روایات کو ضعیف کہہ کر رد کر دیتے ہیں حالانکہ فاتحہ خلف الامام کی کئی روایات بلحاظِ سند ومتن صحیح وحسن ہیں۔

تنبیہ: بعض اوقات حدیث ضعیف ہوتی ہے لیکن مسئلہ صحیح ہوتا ہے۔ مسئلہ اس وجہ سے صحیح ہوتا ہے کہ اس کی تائید اجماع یا آثار سے ہوتی ہے۔

فی الحال اس کی تین مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

مثال اول: مال وغیرہ پر اگر ایک سال گزر جائے تو زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

اس کے بارے میں ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر تمھارے پاس بیس دینار ہوں اور اُن پر سال گزر جائے تو آدھا دینار (واجب) ہے۔ (دیکھئے سنن ابی داود: ۱۵۷۳، وسندہ ضعیف)

اس روایت میں ابو اسحاق السبیعی مدلس ہیں لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔ اس کے علاوہ اس مفہوم کی روایات دوسری ضعیف سندوں سے بھی مروی ہیں جنھیں جمع تفریق کر کے شیخ البانی رحمہ اللہ نے اپنے مخصوص منہج کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔ (دیکھئے ارواء الغلیل ۳/۲۵۴ ح ۷۸۷) حالانکہ تحقیق راجح میں یہ روایت ضعیف ہی ہے۔

امام ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''**وأجمعوا علٰی أن المال إذا حال علیه الحول أن الزكاة تجب فیه**'' اور اس پر اجماع ہے کہ اگر مال پر ایک سال گزر جائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ (الاجماع لابن المنذر ص ۱۳، فقرہ: ۱۰۳)

اجماع بذاتِ خود مستقل دلیل اور شرعی حجت ہے لہٰذا مسئلہ ثابت ہو گیا کہ جب تک ایک سال پورا نہ ہو جائے تو مال پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''**لا تجب في مال زكوة حتی یحول علیه الحول**'' جب تک ایک سال نہ گزر جائے

کسی مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ (الموطأ للامام مالک ۱/۲۴۶ ح ۵۸۴ وسندہ صحیح)

اس مفہوم کی ایک روایت بیان کرکے امام بیہقی فرماتے ہیں: ''**هذا هو الصحيح موقوف**'' یہ موقوف صحیح ہے۔ (السنن الکبریٰ ۴/۱۰۴)

مثال دوم: اگر پاک پانی میں نجاست گر جائے اور اس کا رنگ، ذائقہ و بُو بدل جائے تو پانی ناپاک ہوجاتا ہے۔

اس کے بارے میں ایک حدیث مروی ہے کہ ''**إن الماء لا ينجسه شيءٌ إلا ماغلب على ريحه و طعمه و لو نه**'' بے شک پانی کو کوئی چیز نجس نہیں کرتی اِلا یہ کہ اس کی بُو، ذائقہ یا رنگ بدل جائے۔ (سنن ابن ماجہ: ۵۲۱ وسندہ ضعیف)

یہ روایت ضعیف ہے لیکن یہ مسئلہ بالکل صحیح ہے کیونکہ اس پر اجماع ہے۔

امام ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اور اس پر اجماع ہے کہ پانی تھوڑا ہو یا زیادہ، اگر اس میں نجاست گر جائے پھر پانی کا ذائقہ، رنگ یا بُو بدل جائے تو وہ اس حالت میں نجس ہوجاتا ہے۔'' (الاجماع ص ۴، فقرہ: ۱۱)

مثال سوم: جس شخص کو روزے کی حالت میں خود بخود قے (اُلٹی) آجائے تو اس پر روزے کی قضا نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں جان بوجھ کر قے کرے تو اس پر قضا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من ذرعه قيءٌ وهو صائم فليس عليه قضاء وإن استقاء فليقض))

جسے خود بخود قے آجائے اور وہ روزے سے ہو تو اُس پر کوئی قضا نہیں ہے اور اگر جان بوجھ کر قے کرے تو اس پر (روزے کی) قضا ہے۔

(سنن ابی داود: ۲۳۸۰، سنن ابن ماجہ: ۱۶۷۶)

اس روایت کو امام بخاری نے ضعیف لیکن ترمذی (۷۲۰) ابن خزیمہ (۱۹۶۰، ۱۹۶۱) ابن حبان (الموارد: ۹۰۷) حاکم (۱/۴۲۶، ۴۲۷) اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

ہماری تحقیق میں یہ روایت ضعیف ہے اور وجۂ ضعف صرف یہ ہے کہ اس میں ہشام

بن حسان مدلس ہیں۔ دیکھئے الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (۱۱۰/۳، ص ۶۵) اور کسی سند میں سماع کی تصریح موجود نہیں ہے۔

لیکن پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جو شخص روزے کی حالت میں جان بوجھ کر قے (اُلٹی) کرے تو اس پر قضا ضروری ہے اور جسے خود بخود قے آجائے تو اس پر کوئی قضا نہیں ہے۔''

(موطأ امام مالک ج۱ ص۳۰۴ ح۶۷۵ وسندہ صحیح)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**من ذرعه القيءُ فلا قضاء عليه و من استقاء فعليه القضاء**'' (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲۱۹/۴ وسندہ حسن)

اس کا مفہوم وہی ہے جو اوپر گزر چکا ہے۔

حافظ ابن المنذر نے اس مسئلے پر بھی سوائے حسن بصری کے ایک قول کے، اجماع نقل کیا ہے۔ (کتاب الاجماع ص ۱۵، فقرہ: ۱۲۵)

عرض ہے کہ اس اجماع کے خلاف حسن بصری کا قول اُن سے صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے بلکہ صحیح سند کے ساتھ تو یہ ثابت ہے کہ امام حسن بصری نے فرمایا: جب روزہ دار کو خود بخود قے آجائے تو روزہ نہ توڑے اور اگر جان بوجھ کر قے کرے تو اس کا روزہ ٹوٹ گیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۸/۳ ح ۹۱۹۰ وسندہ صحیح)

خلاصہ یہ کہ یہ تینوں مسئلے ضعیف روایتوں سے نہیں بلکہ اجماع اور صحیح آثارِ صحابہ ومَن بعدہم سے ثابت ہیں۔ والحمدللہ

بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ''اہلحدیث کے نزدیک تو صحاح ستہ کی کل احادیث اپنے اپنے محل موقع پر قابل عمل ولائق تسلیم ہیں'' (دیکھئے فتاویٰ ستاریہ جلد دوم ص ۳۷)

یہ دعویٰ کئی لحاظ سے غلط ہے:

اولاً: صحاح ستہ سے مراد صحیح بخاری وصحیح مسلم اور سنن اربعہ (سنن ابی داود، سنن الترمذی، سنن النسائی اور سنن ابن ماجہ) ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تمام مسند متصل مرفوع

روایات تو یقیناً صحیح ہیں لیکن سنن اربعہ میں صحیح، حسن اور ضعیف ہر قسم کی روایات موجود ہیں جن میں سے بعض روایات کو خود صاحبِ کتاب نے بھی ضعیف و منکر وغیرہ قرار دے رکھا ہے۔ مثلاً:

① ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ جب بیت الخلاء میں جاتے تو اپنی انگوٹھی اتار دیتے تھے۔ (سنن ابی داود: ۱۹)

یہ روایت بیان کر کے امام ابوداود نے فرمایا: یہ حدیث منکر ہے۔

② ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی قوم کا مہمان بنے تو ان کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے۔ (سنن الترمذی: ۷۸۹)

یہ روایت بیان کرنے کے بعد امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث ضعیف ہے۔ الخ

③ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ایک روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی (زینب رضی اللہ عنہا) کو (ان کے شوہر) ابو العاص (رضی اللہ عنہ) کے پاس نئے مہر اور جدید نکاح کے ساتھ روانہ کیا۔ (مسند احمد ۲/ ۲۰۸ ح ۶۹۳۸)

یہ روایت بیان کرنے کے بعد امام احمد نے فرمایا:

''**هذا حديث ضعيف**'' یہ حدیث ضعیف ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا حوالہ اس لئے پیش کر دیا ہے کہ وہ اہل سنت کے مشہور امام تھے۔

ثانیاً: حاکم اور خطیب بغدادی نے سنن الترمذی کو ''الجامع الصحیح'' کہا تو اس کا رد کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: ''**وهذا تساهل منهما فإن فيه أحاديث كثيرة منكرة**'' یہ ان دونوں کا تساہل ہے کیونکہ اس (سنن ترمذی) میں بہت سی منکر حدیثیں ہیں۔

(اختصار علوم الحدیث مع تعلیق الالبانی ج ۱ ص ۱۱۶)

حافظ ابو طاہر السّلفی نے کتب خمسہ کے بارے میں کہا: ''مشرق و مغرب کے علماء کا ان کے صحیح ہونے پر اتفاق ہے۔'' اس کا رد کرتے ہوئے ابن الصلاح لکھتے ہیں:

اور یہ تساہل ہے کیونکہ ان میں ایسی روایتیں بھی ہیں جنھیں ان کتابوں کے مصنفین نے

ضعیف یا منکر وغیرہ قرار دیا ہے جو کہ ضعیف کی اقسام ہیں۔ (مقدمہ ابن الصلاح ص۲۰، النوع الثانی)

ثالثاً: سنن ترمذی کے شارح اور تحفۃ الاحوذی کے مصنف مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''**قلت: الأحاديث الضعاف موجودة في جامع الترمذي و قدبيّن الترمذي نفسه ضعفها و أبان علتها .... ''إلخ**

میں نے کہا: جامع ترمذی میں ضعیف حدیثیں موجود ہیں اور ترمذی نے خود ان کا ضعف (ضعیف ہونا) اور علتیں بیان کر دی ہیں....الخ (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ج ا ص ۳۶۷، آخر الفصل السادس)

رابعاً: غیر اہلِ حدیث جن ضعیف روایتوں سے استدلال کرتے ہیں مثلاً ترکِ رفع یدین وغیرہ، ان میں سے بعض روایتیں سنن اربعہ میں موجود ہیں اور اہلِ حدیث ان روایتوں پر جرح کر کے انھیں مردود قرار دیتے ہیں۔

خامساً: حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'' سننِ اربعہ کی تمام روایات صحیح نہیں

جو حدیثیں بخاری و مسلم میں ہیں، وہ سب کی سب صحیح ہیں، مگر باقی صحاح ستہ یعنی (ترمذی، ابوداود، نسائی وغیرہ) میں بعض حدیثیں ''صحیح'' ہیں اور بعض ''حسن'' اور بعض ''ضعیف''، حدیث کی صحت کے لیے ضروری ہے کہ رواۃ ثقہ ہوں اور سند میں اتصال ہو، نہ اس میں کوئی شذوذ ہو اور نہ علت ہو۔ بعض وقت ایک محدث حدیث کو ''صحیح'' یا ''حسن'' کہتا ہے، مگر حقیقت میں وہ حدیث ''ضعیف'' ہوتی ہے۔ بعض محدثین اس معاملہ میں تساہل (سستی) کر جاتے ہیں۔ چنانچہ محدثین نے تتبع اور استقراء کے بعد یہ واضح کیا ہے کہ حاکم کی تصحیح (کسی حدیث کو ''صحیح'' کہنا) اور امام ترمذی کی تحسین (کسی حدیث کو ''حسن'' کہنے) پر مغرور نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اس کی چھان بین ضروری ہے۔'' (دوامِ حدیث جلد اول ص ۴۷۶)

اگر کوئی کہے کہ محدثین نے یہ ضعیف روایات کیوں لکھی ہیں؟

اس سوال کا جواب حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ کی عبارت میں موجود ہے، آپ فرماتے ہیں:

''بعض وقت محدثین روایت کو صرف معرفت کے لئے ذکر کرتے ہیں، اس سے دلیل پکڑنا

مقصود نہیں ہوتا، خاص کر جب بیان کرنے کے بعد اس حدیث کے ضعف کی وضاحت کردیں۔'' (دوام حدیث ج۱ص۴۷۶)

ایک اور مقام پر سدی اور کلبی (دو کذابین) کی روایتوں کے بعض کتبِ حدیث و کتبِ تفسیر میں درج ہونے کے بارے میں حافظ صاحب فرماتے ہیں:

''جب ان بیان کردہ راویوں کے کذب پر محدثین کا اجماع ہے، تو اس صورت میں ان کی روایات کو لکھنا، صرف معرفت کے لئے ہوگا، نہ استدلال کے لئے۔ جب ان کی روایتوں سے محدثین استدلال نہیں کرتے، تو ان کے ذریعہ شریعت میں مسائل کیسے داخل ہو سکتے ہیں؟'' (دوام حدیث ج۱ص۵۲۶)

آخر میں عرض ہے کہ ہم اپنی خواہشات یا گروہ وفرقہ پرستی کی وجہ سے روایات پر صحیح یا ضعیف کا حکم نہیں لگاتے بلکہ اللہ تعالیٰ کو عالم ناظر سمجھتے ہوئے، اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کے علم کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے، جمہور محدثین کی تحقیق و اصول کو تسلیم کرتے ہوئے اور آخرت کے محاسبے پر ایمان کے ساتھ حدیث پر صحیح وحسن یا ضعیف وغیرہ کا حکم لگاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص دلیل کے ساتھ ہماری غلطی ثابت کردے تو علانیہ رجوع کرتے ہیں۔ ہمارے منہج کی تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۳۴ص۲۔۴، ۳۵ص۲۔۴، ۳۸ص۲،۳

وما علینا إلا البلاغ (۴/ جولائی ۲۰۰۸ء)

اعلان

مکتبہ دارالسلام (لاہور/ الریاض) سے سنن ابی داود اور سنن ابن ماجہ کی تخریج وتحقیق چھپی ہے جسے راقم الحروف نے لکھا ہے۔ والحمدللہ

کمپوزنگ کی غلطیوں کی اصلاح اور بعض تحقیقات تبدیل ہونے کی وجہ سے ہم نے ان دونوں کتابوں کی نظر ثانی کی ہے اور اصلاحاتِ جدیدہ کو کمپوز بھی کرا لیا ہے۔ ان اصلاحات کی تفصیل اگلے شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔ ان شاء اللہ

حافظ زبیر علی زئی (۷/ اگست ۲۰۰۸ء)

مولانا عبدالصمد رفیقی حفظہ اللہ

اتباعِ سنت کے تین تقاضے فعل، ترک اور توقف

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ذریعے سے اس کی رضا حاصل کرنے کا نام اسلام ہے اور کسی بندے کے پاس اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے چار ذرائع ہیں:

① دل ② زبان ③ ظاہری اعضاءِ بدن (آنکھ، کان، ہاتھ اور پاؤں وغیرہ) اور ④ مال خرچ کرنا۔

یہی وہ چار چیزیں ہیں جو ادائیگیٔ عبادت کا ذریعہ ہیں، اس لئے عبادت کی عموماً چار اقسام بتائی جاتی ہیں: (۱) قلبی عبادات (۲) قولی عبادات (۳) بدنی عبادات اور (۴) مالی عبادات۔

(قلبی عبادات) سے مراد اطاعت وعبادت کے وہ کام ہیں جن کے کرنے یا نہ کرنے کا تعلق دل سے ہے، مثلاً غلط و باطل عقائد کے بجائے صحیح اسلامی عقائد کو اپنانا، دنیاوی مفادات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے نیکی کے ذریعے سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنا۔ غفلت، لاپرواہی وشک وشبہ سے اپنے دامن کو بچاتے ہوئے خالص توجہ اور یقین سے کام لینا وغیرہ۔

(قولی عبادات) سے مراد اطاعت وعبادت کے وہ کام ہیں جن کے کرنے یا نہ کرنے کا تعلق زبان سے ہے، مثلاً کلمہ طیبہ کا اقرار کرنا، تلاوت کرنا، مسنون اذکار اور دعائیں پڑھنا، تعلیم و تدریس اور وعظ وتبلیغ کا اہتمام کرنا اور فضولیات ولغویات سے پرہیز کرنا وغیرہ۔

(بدنی عبادات) سے مراد اطاعت وعبادت کے وہ کام ہیں جن سے کرنے یا نہ کرنے کا تعلق بدن کے مختلف ظاہری اعضاء سے ہے، مثلاً مخلوق کے بجائے صرف خالق کو سجدہ کرنا، غیرمحرم عورتوں سے نظر بازی کے بجائے صرف اپنی بیوی تک محدود رہنا، فحاشی اور بے حیائی پر مبنی مجالس کو ترک کر کے دینی اور پاکیزہ محافل کا انتخاب کرنا، نیک کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنا اور بُرے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرنا (خواہ مدد کے لئے پکارنے والا کوئی ''عزیز'' ہی کیوں نہ ہو۔)

(مالی عبادات) سے مراد اطاعت وعبادت کے وہ کام ہیں جن کا تعلق مال کو خرچ کرنے یا نہ کرنے سے ہے، مثلاً باقاعدگی کے ساتھ زکوٰۃ، عشر اور فطرانہ دینا، لاچار لوگوں کی مدد کرنا، حقداروں کو ان کا حق ادا کرنا، گناہ و گمراہی اور فضول کاموں میں ایک پائی بھی خرچ نہ کرنا وغیرہ۔ ہر عبادت میں دل شریک ہوتا ہے کیونکہ ایک سچا مسلمان اپنی عبادت کے ذریعے سے صرف اللہ کی رضا حاصل کرے گا (جبکہ مشرک آدمی اپنے معبودِ باطل کی رضا حاصل کرتا ہے) چونکہ رضا چاہنا دل کا فعل ہے اس لئے ہر عبادت قلبی ضرور ہوتی ہے البتہ بعض عبادتوں میں دل کے ساتھ ساتھ دوسرے مختلف ذرائع بھی شامل ہو جاتے ہیں، مثلاً نماز ایک (قلبی عبادت تو ہے ہی) بدنی اور قولی عبادت بھی ہے، اسی طرح حج میں ادائیگی عبادت سے چاروں ذرائع استعمال ہوتے ہیں، دل، زبان، اعضائے بدن اور مال بھی (خوب خرچ ہوتا ہے۔)

الغرض، جس طرح کسی کام کو ہر صورت کرنا ایک کام ہے اسی طرح کر سکنے کے باوجود کچھ نہ کرنا بھی ایک کام ہے جس طرح ایک آدمی نماز پڑھتا ہے اور اجر وثواب کا مستحق بنتا ہے، اسی طرح جو شخص پڑھ سکنے کے باوجود نماز نہیں پڑھتا وہ کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔

(سنن ترمذی ۲۶۲۱، وسندہ صحیح، مسند احمد ۳۴۶/۵ ح ۲۳۳۲۵)

اسی طرح اپنی کزن کے ساتھ منہ کالا کرنے والا شخص مجرم و گنہگار گنا جاتا ہے مگر جو شخص موقع ملنے کے باوجود محض اللہ کے ڈر کی وجہ سے اس کام سے باز آ جائے وہ یقیناً نیک و صالح شمار ہوگا۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۳۴۶۵)

چونکہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کا خالق و مالک اور رب و رازق ہے، اسی نے انسان کو وجود بخشا ہے وہی اس کی ہر لحہ نگہداشت و نگرانی کرتا ہے اور اس کی جملہ ضروریات اسے مہیا کرتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ بندہ بھی اس کی پسند و ناپسند کا پابند ہو کر زندگی گزارے یعنی بندے کا دل اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ عقائد کو اپنائے اور ناپسندیدہ عقائد کو چھوڑ دے، اس کی زبان اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ کلمات کہے اور ناپسندیدہ کلمات کہنے سے باز رہے۔ اس کے

کان، آنکھیں، ہاتھ وغیرہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ کاموں کی بجا آوری میں مصروف ہوں اور ناپسندیدہ کاموں کے لئے استعمال نہ ہوں حتیٰ کہ انسان کا مال بھی اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ امور میں صَرف ہو، ناپسندیدہ کاموں (شرک و بدعت، گناہ و گمراہی، ظلم وعیاشی اور فضول و بےمقصد کاموں) میں خرچ نہ ہو۔

یہی وہ آزمائش ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے جن اور انسان بنائے، ان کی طرف انبیاء ورسل علیہم السلام بھیجے۔ اپنا دین نازل کیا، انھیں اپنی پسند و ناپسند سے آگاہ کیا چنانچہ تقریباً سارا دین اسی پسند و ناپسند سے عبارت ہے، مثلاً اگر آپ اسلام اور کفر، ایمان اور نفاق، سچ اور جھوٹ، حق اور باطل، اطاعت اور معصیت، حلال اور حرام، جائز اور ناجائز، نیکی اور بدی، سنت اور بدعت، ہدایت اور ضلالت اور اسی طرح کے دیگر الفاظ پر غور کریں تو آپ پر خوب اچھی طرح واضح ہو جائے گا کہ اسلام میں کچھ کام کرنے کے ہیں اور کچھ کام چھوڑنے کے ہیں۔ پھر جس کام کا اللہ تعالیٰ نے حکم یا ترغیب دی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ کام ہے، اسے کرنا ہی مطلوب ہے، اسے بجالانے کو فعل کہیں گے، اور جس کام سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا یا اس سے نفرت دلائی ہے وہ اس کے ہاں ناپسندیدہ کام ہے اس سے بچنا ہی مطلوب ہے، اس سے پرہیز کرنا ترک کہلائے گا۔ یہی فعل و ترک رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و اتباع کا طرۂ امتیاز ہے البتہ انسانی اعمال کا ایک پہلو اور بھی بیان کیا جاتا ہے اور وہ ہے اختیار کا پہلو۔ اختیار کا مطلب یہ ہے کہ بندے کو ایک سے زائد کاموں میں اختیار دیا جائے کہ وہ ان میں سے کوئی ایک کام کر لے باقی کاموں کو وہ چھوڑ سکتا ہے جبکہ اباحت کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی کام کے متعلق بندے کو اختیار دیا جائے کہ وہ چاہے تو اسے کر لے اور چاہے تو نہ کرے لیکن چونکہ بندہ اختیاری کاموں کو کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنے میں آزاد ہوتا ہے لہٰذا اختیار و اباحت کی یہ صورت بھی فعل یا ترک میں شامل ہو جاتی ہے کیونکہ بندہ جب کسی ایک پہلو کو ترجیح دیتا ہے تو دوسرے پہلو کو چھوڑ کر ہی ترجیح دیتا ہے اگر کرنے کو ترجیح دیتا ہے تو نہ کرنا چھوٹ گیا اور اگر نہ کرنے کا فیصلہ کرتا ہے تو کرنا چھوٹ گیا۔

سنت اور بدعت بھی دراصل دو مختلف اور متضاد طریقوں کا نام ہے۔ان میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ دونوں پر نہایت نیک نیتی کے ساتھ دین، نیکی اور کارِ ثواب سمجھ کر عمل کیا جاتا ہے۔ حالانکہ سنت دین کا اصل طریقہ ہے اور بدعت (دین کے نام پر جاری کئے ہوئے) جعلی طریقے کا نام ہے۔سنت رسول ﷺ کے ذریعے سے امت کو ملی جبکہ بدعت بعض مفاد پرست حکمرانوں اور مولویوں کی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہوتی ہے۔

سنت پر عمل کیا جائے تو یہ بندے کو اللہ کے قریب کرتی ہے اور اگر بدعت پر عمل کیا جائے تو یہ بندے کو اللہ سے دُور کر دیتی ہے۔سنت کو ہر موقع اور ہر حال میں بجالانا جبکہ بدعت کو ہر موقع اور ہر حال میں ترک کر دینا اطاعت و اتباع کی بہترین تصویر قرار پائے گی۔یہی وجہ ہے کہ جو لوگ ہر موقع پر بدعت کا اہتمام والتزام کرتے کراتے ہیں ان سے مقابلے کی سنت مستقل طور پر چھوٹ جاتی ہے۔چونکہ سنت پر عمل پیرا ہونا اور بدعت کو چھوڑنا ہی شرعی دلائل کا مطالبہ ہے،اس لحاظ سے یہ مسئلہ بھی انسان کے فعل و ترک کے ساتھ منسلک ہو جاتا ہے۔

انسانی آزمائش کا ایک پہلو مشتبہ امور ہیں،ان میں سے بعض کاموں کو کر لینا احتیاط کا تقاضا ہوتا ہے جبکہ بعض کاموں کو نہ کرنا تقویٰ وطہارت کا آئینہ دار ہوتا ہے،مثلاً نمازی نماز کے دوران میں تعدادِ رکعات کی بابت شک کا شکار ہو جائے اور اس سے درست بات کا فیصلہ نہ ہو رہا ہو تو اس کے لئے یقین (کم تعداد) پر عمل کرتے ہوئے ایک اور رکعت پڑھ لینا ہی محتاط و مسنون عمل ہے۔ (صحیح مسلم:۵۷۱، دارالسلام:۱۲۷۲)

رسول اللہ ﷺ گری ہوئی کھجور کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: اگر اس کے صدقہ ہونے کا شبہ نہ ہوتا تو میں اسے کھا لیتا۔ (صحیح بخاری:۲۰۵۵)

ان مثالوں میں سے پہلی مثال فعل کی اور دوسری ترک کی ہے۔

البتہ کتاب وسنت سے فعل و ترک کے علاوہ ایک تیسرا آپشن بھی ملتا ہے اور وہ ہے توقف، بظاہر یہ فعل و ترک کی درمیانی کیفیت کا نام ہے یعنی نفی نہ اثبات، فعل نہ ترک، اقرار

نہ انکار بلکہ توقف اختیار کرنا یعنی جس کام کی بابت اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے قصداً خاموشی اختیار فرمائی ہو اس کی بابت خاموش رہنا ہی بہتر ہے الا یہ کہ کوئی اجتہادی مسئلہ ہو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ اور جس بات کا تجھے علم نہیں ہے اس کے پیچھے مت پڑو۔ (الاسراء:۳۶)

خود نبی اکرم ﷺ سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو آپ بعض اوقات وحی کے انتظار میں توقف فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ مدینہ کے یہودی علماء کے کہنے پر قریشِ مکہ نے آپ ﷺ سے درج ذیل تین سوالات کئے تھے:

روح کیا ہے؟ اصحاب کہف کون تھے؟ ذوالقرنین کا قصہ کیا ہے؟

آپ ﷺ نے توقف فرمایا حتیٰ کہ سورۃ الکھف نازل ہوئی۔ (المصباح المنیر ص ۷۹۱)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے آگے نہ بڑھو (تمام مسائل میں ان کے پیچھے پیچھے رہو۔) (الحجرات:۱)

یعنی اے جماعتِ صحابہ (رضی اللہ عنہم)! جب نبی اکرم ﷺ موجود ہوں تو ازخود کسی کو کسی بات کا حکم نہ دو حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ اس کا حکم دے دیں اسی طرح ازخود کسی کو کسی بات سے منع نہ کرو حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ اس سے منع فرمائیں۔

نبی اکرم ﷺ کے بعد اس آیت کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب وسنت سے راہنمائی لئے بغیر ازخود کسی فعل یا ترک کا فیصلہ نہ کرو بلکہ توقف اختیار کرو۔ واللہ اعلم

شاید اسی لئے اہل سنت والجماعت کے علماءِ حق کا کہنا ہے کہ کتاب وسنت نے اللہ تعالیٰ کی بابت جن صفات کی خبر دی ہے ان کا اثبات کیا جائے اور جن باتوں سے اسے پاک و منزہ قرار دیا ہے ان کی نفی کی جائے اور جن چیزوں کی بابت خاموشی اختیار کی ہے، ان کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے (ان کا اقرار یا انکار کرنے کے بجائے توقف اختیار کیا جائے۔) مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفت ﴿اِسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ (طٰہٰ:۲۰/۵) کو ہی لے لیں

سلف سے اس کا معنیٰ ''بلند ہوا'' منقول ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب التوحید باب (۲۲) وکان عرشہ علی الماء [ھود: ۷] قبل حدیث ۷۴۱۸)

شاہ رفیع الدین دہلوی نے اس کا معنیٰ ''قرار پکڑا'' (طٰہٰ: ۵/۲۰) کیا ہے لیکن اس بلند ہونے اور قرار پکڑنے کی کیفیت کتاب وسنت نے بیان نہیں کی لہٰذا ہم اس کی بابت توقف کرتے ہوئے خاموشی اختیار کریں گے کیونکہ جب کتاب وسنت خاموش ہیں تو خاموش رہنا ہی سنت ہے مگر اہلِ بدعت نے حسبِ عادت اس خاموشی کو توڑتے ہوئے نیا راستہ ڈھونڈ لیا یعنی سب سے پہلے کیفیت کی بابت سوال و جواب کرنے کی جرأت و جسارت کرنے لگے پھر اس کی خود ساختہ کیفیتیں بیان کرنا شروع کر دیں پھر جب تشبیہ کا دھڑکا لگا تو اصل صفت ہی کا انکار کر بیٹھے۔

لیکن دیکھا گیا ہے کہ بعض جاہل خطیب بھی جوشِ خطابت میں کہہ جاتے ہیں: ''اللہ عرش پر بیٹھا ہنس رہا تھا'' حالانکہ بیٹھنا ایک کیفیت ہے جو کتاب وسنت نے نہیں بتائی پھر یہ حضرات کیوں بتاتے ہیں؟ اس سلسلے میں خاموش رہنا ہی محتاط عمل ہے۔

بدعت کی ایک علامت تو یہ ہوتی ہے کہ کتاب وسنت میں ان کا نام لے کر کچھ نہیں کہا جاتا نہ حکم دیا جاتا ہے نہ ترغیب، نہ حرام کیا جاتا ہے نہ مکروہ بلکہ اس کے جائز یا ناجائز ہونے کا ذکر بھی نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ بدعت کے مختلف گروہ اپنی اپنی بدعات کو تحفظ دینے کے لئے شور بپا کرتے ہیں کہ

''چونکہ نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع نہیں کیا تھا لہٰذا وہابیوں کو بھی چاہئے کہ ہمیں منع نہ کریں''

ہم انھیں عرض کرتے ہیں کہ بدعت کو پورے عہد رسالت میں بار بار کر سکنے (کی طاقت) کے باوجود کوئی مسلمان نہیں کرتا تھا، نہ نبی اکرم ﷺ کرتے تھے اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین لہٰذا تم اسے خود کرو نہ دوسروں سے کراؤ پھر ہم بھی تمھیں نہیں روکیں گے۔

اصل بات وہی ہے کہ جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر آئے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ،

اپنی پوری زندگی میں ضرورت، سہولت اور استطاعت کے باوجود، جبکہ کوئی رکاوٹ بھی نہ ہو، ایک کام کبھی نہیں کرتے تو اسے نہ کرنا ہی آپ ﷺ کی سنت ہے۔ اب اگر کوئی مفاد پرست ٹولہ اس کام کو موقع بہ موقع بار بار کرے گا تو اس کا یہ طرزِ عمل بدعت ہوگا۔

خیر بات ہو رہی تھی توقف اختیار کرنے کی تو کتاب وسنت میں ماضی اور مستقبل کی جتنی غیبی خبریں بتائی گئی ہیں، ان سب میں یہی اصول مسلم ہے کہ جتنی بات بتائی گئی ہے اتنی مان لو جس بات کی نفی کی گئی ہو اس کی نفی کرو اور جس بات کی بابت خاموشی اختیار کی گئی ہو اس کی بابت خاموشی اختیار کرو۔

امورِ غیبیہ کے ساتھ ساتھ جملہ اسلامی عقائد کا اصول بھی یہی ہے جہاں تک اعمال المکلفین یعنی عاقل و بالغ مسلمانوں کی عملی زندگی کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں محدثین کا ایک اصول یاد آتا ہے کہ جب دو مقبول حدیثوں میں ظاہری تضاد و تعارض نظر آئے تو سب سے پہلے تطبیق و توفیق کی کوشش کی جائے گی یعنی دونوں کے درمیان مطابقت اور موافقت پیدا کر کے انھیں کسی مشترکہ مفہوم پر جمع کر دیا جائے گا۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو نسخ کا پتا چلایا جائے گا۔ پتا چل جائے تو ناسخ حدیث پر عمل کیا جائے گا اور منسوخ حدیث کو چھوڑ دیا جائے گا۔

اگر نسخ کا پتا بھی نہ چلے تو مسلکی تعصب سے بالاتر ہو کر اضافی، فنی خوبیوں کی بنیاد پر راجح حدیث پر عمل کیا جائے گا اور مرجوح حدیث کو چھوڑ دیا جائے گا۔ اگر دونوں حدیثیں یکساں درجے کی مقبول ہوں اور ان مراحل میں سے کوئی مرحلہ طے نہ ہو تو پھر دونوں حدیثوں پر عمل کرنے سے توقف اختیار کیا جائے گا یعنی کسی ایک حدیث پر عمل کر کے دوسری کو چھوڑنے کے بجائے دونوں پر عمل کرنا موقوف کر دیا جائے گا۔ حتیٰ کہ کسی ایک کو دوسری پر ترجیح دینے کی کوئی معقول علمی اور فنی وجہ سامنے آ جائے۔ تاہم توقف تک نوبت شاذ و نادر ہی پہنچتی ہے۔ عموماً پہلے تین مراحل میں ہی تعارض دُور ہو جاتا ہے۔ والحمدللّٰہ علٰی ذلک

(ختم شد)

تصنیف: حافظ ابن کثیر ترجمہ: حافظ زبیر علی زئی

اختصار علوم الحدیث (قسط نمبر۴)

(۱۲) بارہویں قسم: مُدلَّس (تدلیس والی روایت)

تدلیس کی دو قسمیں ہیں:

اول: راوی اُس سے جس سے اس کی ملاقات ہوئی ہے، ایسی روایت بیان کرے جو راوی نے اُس سے نہیں سُنی۔ [اسے تدلیس الاسناد کہتے ہیں۔]

یا اپنے معاصر جس سے اس کی ملاقات نہیں ہے (ایسی روایت بیان کرے جو اُس نے اُس سے نہیں سنی) یہ وہم ڈالتے ہوئے کہ اُس نے یہ روایت اپنے معاصر سے سُنی ہے۔ (۱)

پہلی تعریف کی مثال علی بن خشرم کا یہ قول ہے کہ ہم سفیان بن عیینہ کے پاس تھے، انھوں نے کہا: ''زہری نے یہ کہا'' ان سے پوچھا گیا: کیا آپ نے اسے زہری سے سُنا ہے؟

انھوں نے کہا: مجھے عبدالرزاق نے ''عن معمر عن الزهري'' کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے۔ (۲)

علمائے کرام کی ایک جماعت نے تدلیس کی اس قسم کو مکروہ (حرام) ومذموم قرار دیا ہے۔ اس مسئلے میں (امام) شعبہ سب سے زیادہ (تدلیس کا) رد کرنے والے تھے۔ اُن سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا: میرے لئے تدلیس کرنے سے زنا زیادہ بہتر ہے یعنی زنا سے تدلیس

---

(۱) اول الذکر کو تدلیس اور ثانی الذکر کو مرسل کہتے ہیں، ثانی الذکر کو تدلیس کہنا غلط ہے۔ تدلیس کی دوسری قسم کے لئے دیکھئے ص ۴۳

(۲) المدخل الیٰ کتاب الاکلیل للحاکم ص ۴۵، ۴۶، معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص ۱۰۵ ت ۲۴۹، الکفایہ للخطیب ص ۳۵۹ عن الحاکم

اس روایت کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن محمد السکونی (السکری) المروزی کی توثیق نامعلوم ہے لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

کرنا بڑا جرم ہے۔ (۱)

ابن الصلاح نے کہا: (شعبہ کا) یہ قول مبالغے اور شدید وعید پر محمول ہے۔

شافعی نے کہا: تدلیس جھوٹ کا بھائی ہے۔ (۲)

بعض حفاظِ حدیث اس تدلیس کی وجہ سے راویوں پر جرح کر کے مطلقاً ان کی روایت رد کر دیتے تھے اگرچہ وہ اتصال والے الفاظ (حدثنا وسمعت وغیرہ) استعمال کریں۔

اور اگرچہ (تدلیس کرنے والے) اس راوی نے صرف ایک دفعہ ہی تدلیس کی ہو جیسا کہ (امام) شافعی رحمہ اللہ نے (کتاب الرسالہ: ۱۰۳۳ میں) فرمایا ہے (کہ جس آدمی کا صرف ایک دفعہ تدلیس کرنا ہمیں معلوم ہو جائے تو روایت میں اس کا پردہ چاق ہو گیا یعنی ہم اس کی عن والی روایت قبول نہیں کرتے۔)

ابن الصلاح نے کہا: صحیح یہ ہے کہ مدلس راوی اگر سماع کی تصریح کرے تو اس کی روایت مقبول ہے اور اگر تصریح نہ کرے تو مردود ہے۔

(ابن الصلاح نے) کہا: صحیحین میں اس قسم کے مدلسین مثلاً سفیان بن عیینہ، اعمش، قتادہ اور ہشیم وغیرہم کی بہت سی روایتیں ہیں۔ (۳)

میں (ابن کثیر) کہتا ہوں: تدلیس کی انتہا یہ ہے کہ مدلس نے اپنے نزدیک ثابت شدہ روایت میں ارسال کیا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اگر میں اپنے استاذ کا نام بتا دوں تو ان کی وجہ سے یہ روایت مردود ہو جائے گی۔ واللہ اعلم

....

(۱) شعبہ کا یہ قول تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۱۷۳ پر ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(۲) یہ قول امام شافعی سے ثابت نہیں ہے۔ بیہقی نے مناقب الشافعی ۲/۳۵ میں سخت ضعیف و مردود سند کے ساتھ ایسا قول امام شافعی سے اور انھوں نے شعبہ سے نقل کیا ہے۔

(۳) صحیحین میں مدلسین کی تمام روایات سماع یا متابعات پر مشتمل ہیں۔ دیکھئے تقریب النووی (ص ۹) خزائن السنن (ج ۱ ص ۱)

دوم: اپنے استاد کا نام یا کنیت (جو لوگوں کے درمیان) مشہور ہو، کے خلاف بیان کرنا تا کہ اس کا معاملہ خفیہ رہے اور لوگ اس کے حال پر واقف نہ ہوں۔
[اسے تدلیس الشیوخ کہتے ہیں۔]

تدلیس کا حکم مختلف حالتوں میں مختلف ہے۔ کبھی یہ مکروہ (تنزیہی) ہے جیسا کہ تدلیس کرنے والے کا استاذ اُس سے کم عمر اور لمبی سند والا وغیرہ ہو اور کبھی یہ حرام ہے جیسے کہ اس کا استاد ثقہ نہ ہو پھر یہ تدلیس کرتے ہوئے اُسے سند سے گرائے تا کہ اس کا حال معلوم نہ ہو سکے یا یہ اس (غیر ثقہ) کے ہم نام وہم کنیت کا دھوکا ڈال دے۔ [۱]

ابو بکر ابن مجاہد المقرئ نے ابو بکر بن ابی داود (صدوق حسن الحدیث) سے روایت کی تو کہا: ''حدثنا عبداللہ بن ابی عبداللہ'' اور ابو بکر محمد بن حسن النقاش المفسر (کذاب متروک) سے روایت کی تو کہا: ''حدثنا محمد بن سند'' اسے اس کے ایک دادے کی طرف منسوب کر دیا۔ واللہ اعلم

ابو عمرو بن الصلاح نے کہا: ''تدلیس کی اس قسم (تدلیس الشیوخ) کے خطیب (بغدادی) اپنی کتابوں میں بہت دلدادہ وفریفتہ تھے۔'' [۲]

....

(۱) عطیہ العوفی (ضعیف راوی) اپنے استاذ (ابو سعید محمد بن السائب الکلبی (کذاب) سے روایت کرتے ہوئے ''عن أبي سعيد'' یا ''حدثني أبو سعيد'' کہہ کر روایت کرتے ہوئے یہ دھوکا دیتا تھا کہ وہ سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کر رہا ہے۔ یہ تدلیس حرام اور بہت بڑا فراڈ ہے۔ یاد رہے کہ عطیہ اگر عن ابی سعید کے ساتھ الخدری کی صراحت بھی کر دے تو اس سے الکلبی ہی مراد ہے، سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ مراد نہیں ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب المجروحین لابن حبان (۱۷۶/۲)

(۲) خطیب اپنی کتابوں میں ابو القاسم الازہری، عبید اللہ بن ابی الفتح الفارسی اور عبید اللہ بن احمد بن عثمان الصیر فی سے بیان کرتے ہیں یہ نام تین اور شخص ایک ہی ہے۔ اسی طرح وہ الحسن بن محمد الخلال، حسن بن ابی طالب اور ابو محمد الخلال سے بیان کرتے ہیں، یہ ایک ہی شخص ہے۔ خطیب ابو القاسم التنوخی، علی بن المحسن اور علی بن ابی علی المعدل سے بیان کرتے ہیں اور یہ بھی ایک ہی شخص ہے۔ ابن جوزی، بیہقی، ابو نعیم الاصبہانی وغیرہم بھی ایسی تدلیس کرتے تھے۔ تدلیسِ شیوخ کرنے والوں کو تدلیسِ اسناد کرنے والوں میں ذکر کرنا صحیح نہیں ہے۔]

(۱۳) تیرہویں قسم: شاذ

(امام) شافعی نے کہا: شاذ اسے کہتے ہیں جو ثقہ راوی ایسی حدیث بیان کرے جس میں لوگوں کی مخالفت کرے، رہی وہ روایت جو ثقہ راوی بیان کرے اور دوسرے اسے بیان نہ کریں تو اسے شاذ نہیں کہتے۔ (۱)

حافظ ابویعلیٰ الخلیلی القزوینی (متوفی ۴۴۶ھ) نے اسے علمائے حجاز کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے۔ (۲)

اگر شاذ بیان کرنے والا ثقہ ہو تو اس روایت میں توقف کیا جاتا ہے اور اس سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔ اگر شاذ بیان کرنے والا غیر ثقہ ہو تو اس کی روایت کو رد کر دیا جاتا ہے۔ (۳)

حاکم نیشاپوری نے کہا: شاذ اس روایت کو کہتے ہیں جس میں ثقہ منفرد ہو اور اس کا کوئی متابع (متابعت کرنے والا) نہ ہو۔ (معرفۃ علوم الحدیث ص۱۱۹، نیز دیکھئے المستدرک ۱/۳۵)

ابن الصلاح نے کہا: اس پر حدیث ((الأعمال بالنيات)) [اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے] سے اشکال وارد ہوتا ہے کیونکہ اسے صرف (سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہ) نے بیان کیا ہے، اُن سے صرف علقمہ (بن وقاص اللیثی) نے، اُن سے صرف محمد بن ابراہیم التیمی نے اور ان سے صرف یحییٰ بن سعید الانصاری نے بیان کیا ہے۔

(دیکھئے صحیح البخاری: ۱، ۵۴، ۲۵۲۹، ۳۸۹۸، ۵۰۷۰، ۶۶۸۹، ۶۹۵۳ و صحیح مسلم: ۱۹۰۷)

میں (ابن کثیر) نے کہا: پھر یہ روایت یحییٰ بن سعید (الانصاری) سے متواتر ہے، کہا جاتا ہے کہ ان سے اسے دو سو یا اس سے بھی زیادہ راویوں نے بیان کیا ہے۔

(۱) آداب الشافعی لابن ابی حاتم ص۱۷۸، ۱۷۹، وسندہ صحیح، معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص۱۱۹ ت۲۹۰ وسندہ حسن، معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ۱/۸۱، ۸۲

(۲) دیکھئے الارشاد فی معرفۃ علماء البلاد (۱/۱۷۶) اور (خلیلی نے) کہا: حفاظِ حدیث اس (مسلک) پر ہیں کہ شاذ اسے کہتے ہیں جس کی ایک سند ہو چاہے شاذ (منفرد) بیان کرنے والا ثقہ ہو یا غیر ثقہ۔

(۳) خلیلی وغیرہ کا یہ قول مردود ہے اور صحیح وہی ہے جو امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔

ابن مندہ نے اس کی غریب اور غیر صحیح متابعات ذکر کی ہیں جیسا کہ ہم نے تفصیل سے ''مسند عمر'' (مسند الفاروق ۱/۱۰۳-۱۰۸) اور ''الاحکام الکبیر'' میں لکھا ہے۔[1]

(ابن الصلاح نے) کہا: اسی طرح عبداللہ بن دینار کی (سیدنا) عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولاء (غلام کے حقِ ملکیت اور رشتہ داری کے تعلق) کو بیچنے یا ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۲۳۹۸، ۶۷۵۶ و صحیح مسلم: ۱۵۰۶)

اور (امام) مالک نے ''الزهري عن أنس '' کی سند سے منفرداً بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے اور آپ کے سر پر (لوہے کا) خود تھا، یعنی آپ بغیر احرام کے مکے میں داخل ہوئے۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۱۸۴۶، ۳۰۴۴، ۴۲۸۶، ۵۸۰۸ و صحیح مسلم: ۱۳۵۷)

یہ تینوں احادیث صحیحین میں انھی سندوں سے ہیں۔

(امام) مسلم نے فرمایا: زہری نے نوے (۹۰) ایسی (بہترین سندوں والی) روایتیں بیان کی ہیں جنھیں کسی دوسرے نے بیان نہیں کیا۔ (دیکھئے صحیح مسلم: ۱۶۴۷، دارالسلام: ۴۲۶۱)

(امام) مسلم نے (امام) زہری کی منفرد روایات کے بارے میں جو بات کہی ہے ایسی منفرد روایات دوسرے (ثقہ) راویوں نے بھی بیان کی ہیں لہٰذا شروع میں (امام) شافعی کی بیان کردہ بات ہی صحیح ہے۔ اگر ایک ثقہ راوی ایسی روایت بیان کرے جس میں (ہر لحاظ سے) وہ لوگوں کی مخالفت کرے (تطبیق و جمع ممکن نہ ہو) تو یہ روایت شاذ یعنی مردود ہے۔ اس باب سے وہ روایت نہیں جو ثقہ بیان کرے اور دوسرے بیان نہ کریں بلکہ اگر راوی عادل ضابط حافظ (ثقہ) ہو (یا صدوق حسن الحدیث راوی ہو) تو یہ مقبول ہوتی ہے۔ اگر اسے رد کر دیا جائے تو اس قسم کی بہت سی روایتیں رد ہو جاتی ہیں اور بہت سے مسائل دلائل سے خالی ہو جاتے ہیں۔ واللہ اعلم

اگر تفرد کرنے والا حافظ نہ ہو مگر عادل ضابط ہو (صدوق حسن الحدیث ہو، جمہور نے اسے موثق قرار دیا ہو) تو اس کی روایت حسن ہوتی ہے اور اگر یہ شرط نہ پائی جائے تو پھر یہ روایت مردود ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

(۱) ہمارے علم کے مطابق الاحکام الکبیر مفقود کتابوں میں سے ہے۔ واللہ اعلم

(۱۴) چودھویں قسم: منکر

یہ شاذ کی طرح (مردود) ہوتی ہے۔ اگر اس کا (ضعیف) راوی ثقہ راویوں کی مخالفت کرے تو منکر مردود ہوتی ہے اور اسی طرح اگر راوی عادل ضابط نہ ہو (بلکہ ضعیف و مجروح ہو) اور ثقہ راویوں کی مخالفت نہ کرے تو (بھی) منکر مردود ہوتی ہے۔

اگر تفرد کرنے والا راوی عادل ضابط حافظ (ثقہ) ہو تو شرعاً یہ مقبول روایت ہے، اسے منکر نہیں کہا جاتا اگرچہ لغوی طور پر اسے منکر کہا جا سکتا ہے۔

(۱۵) پندرھویں قسم: اعتبار، متابعات اور شواہد

اس کی مثال یہ ہے کہ اگر حماد بن سلمہ ''**عن أیوب عن محمد بن سیرین عن أبي هریرة عن النبي** ﷺ'' کی سند سے ایک حدیث بیان کریں۔ اب اگر اسے حماد کے علاوہ کوئی دوسرا راوی ایوب (سختیانی) سے یا ایوب کے علاوہ دوسرا راوی محمد (بن سیرین) سے یا محمد (بن سیرین) کے علاوہ کوئی دوسرا راوی (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے یا (سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کے علاوہ کوئی دوسرا راوی نبی ﷺ سے روایت کرے تو اسے متابعت کہتے ہیں۔[1]

اور اگر اسی روایت کے ہم معنی روایت کسی دوسرے صحابی سے مروی ہو تو اسے شاہد کہتے ہیں۔

اگر اس مفہوم کی دوسری روایت مروی نہ ہو تو اسے افراد میں سے فرد (مطلق) کہتے ہیں۔

شواہد و متابعات میں اس ضعیف راوی سے درگزر کیا جاتا ہے جس کا ضعف شدید نہ ہو۔ جبکہ اصول (والی روایتوں) میں یہ درگزر نہیں کیا جاتا جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں ایسی روایتیں پائی جاتی ہیں۔

اسی لئے بعض ضعیف راویوں کے بارے میں (امام) دارقطنی فرماتے ہیں: ''یہ اعتبار (شواہد و متابعات) کے لائق راوی ہے'' اور ''یہ اعتبار کے لائق راوی نہیں ہے۔'' واللہ اعلم

(۱) شواہد اور متابعات تلاش کرنے کے عمل کو اعتبار کہتے ہیں۔

ہدیۃ المسلمین حافظ زبیر علی زئی

طاق رکعتوں میں دو سجدوں کے بعد بیٹھ کر اُٹھنا

حدیث:۱۸

" عن مالك بن الحويرث أنه إذا رأى النبي ﷺ يصلي ، فإذا كان في وتر من صلاته لم ينهض حتّى يستوي قاعدًا "

مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے جب آپ نماز کی طاق رکعت (یعنی پہلی اور تیسری رکعت) میں ہوتے تو (دوسرے سجدے کے بعد) یکدم کھڑے نہ ہوتے بلکہ بیٹھ جاتے (پھر کھڑے ہوتے) تھے۔

(صحیح البخاری ۱/۱۱۳ ح ۸۲۳)

فوائد:

① اس حدیث پاک سے طاق رکعتوں میں دو سجدوں کے بعد بیٹھ کر اُٹھنے کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ سیدنا ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز شروع کرتے وقت، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے، پہلی رکعت میں دوسرے سجدے سے جب فارغ ہوتے تو بیٹھ جاتے، دو رکعتیں پڑھ کر جب کھڑے ہوتے تو رفع یدین کرتے، اور آخری رکعت میں ''تورک'' کرتے تھے۔

(سنن الترمذی ج ۱ ص ۶۷ ح ۳۰۴، وقال: ھذا حدیث حسن صحیح)

اس حدیث کو ابن خزیمہ (ج ۱ ص ۲۹۷، ۲۹۸ ح ۵۸۷، ۵۸۸) ابن حبان (الموارد: ۴۴۲، ۴۹۱، ۴۹۲) بخاری (فی جزء رفع الیدین ح: ۵، ۶) ابن تیمیہ اور ابن القیم وغیرہم نے صحیح کہا ہے۔ اس کی سند متصل ہے اور عبدالحمید بن جعفر جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں۔ (دیکھئے نصب الرایہ: ۱/۳۴۴) لہٰذا اُن پر جرح مردود ہے۔

② بعض لوگ طاق رکعتوں میں دوسجدوں کے بعد بیٹھ کر اُٹھنے کو واجب کہتے ہیں، کیونکہ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں اس کا حکم آیا ہے۔ دیکھئے (۹۲۴/۲ ح ۶۲۵۱)

حدیث بالا کے راوی مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ ''**صلوا کما رأیتموني أصلي**'' نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ح ۶۳۱)

③ ابوداود کی جس حدیث میں (**لم یتورك**) آپ نے تورک نہیں کیا، آیا ہے (اس میں چند الفاظ پہلے ''**فتورك**'' پس آپ نے تورک کیا کے الفاظ ہیں) (۱۴۵/۱ ح ۹۶۶، ۱۱۳/۱ ح ۷۳۳)

اگر یہ روایت صحیح ثابت ہوتی ہے تو اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ آپ نے دوسرے سجدے کے بعد تورک نہیں کیا۔ یعنی اپنی ران پر نہیں بیٹھے یہ حدیث طاق رکعتوں میں دو سجدوں کے بعد بیٹھ کر اُٹھنے کے مخالف نہیں ہے کیونکہ طاق رکعتوں میں دو سجدوں کے بعد بیٹھ کر اُٹھنے میں بغیر تورک بیٹھا جاتا ہے، جو لوگ اس حدیث سے صحیح بخاری کے مخالف استدلال کرتے ہیں، انھیں چاہئے کہ سجدۂ اُولیٰ کے بعد تورک کریں۔ شرح معانی الآثار (۶۲۰/۱) وغیرہ میں اس حدیث (**لم یتورك**) میں رکوع سے پہلے اور بعد والا رفع یدین بھی موجود ہے آدھی حدیث سے استدلال اور آدھی کا انکار کیا معنی رکھتا ہے؟

تنبیہ: ابوداود (۷۳۳، ۹۶۶) والی اس حدیث کی سند ضعیف ہے، اس کا راوی عیسیٰ بن عبداللہ بن مالک: مجہول الحال ہے، اسے ابن حبان کے علاوہ کسی دوسرے محدث نے ثقہ وصدوق قرار نہیں دیا۔

④ نصب الرایہ (۳۸۹/۱) اور الجوہر النقی (۱۲۵/۲) وغیرہما میں طاق رکعتوں میں دو سجدوں کے بعد بیٹھ کر اُٹھنے کے مخالفین نے جو آثار نقل کئے ہیں، ان میں سے کوئی بھی صحیح صریح نہیں ہے۔ بیہقی کی جس روایت میں ''**رمقت ابن مسعود**'' ہے سفیان کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے، اسے ''**عن ابن مسعود صحیح**'' کہنا صحیح نہیں ہے، دوسرے یہ کہ حدیث مرفوع کے مقابلے میں اپنی مرضی کے آثار پیش کرنا انتہائی غلط کام ہے۔

احسن الحدیث

حافظ ندیم ظہیر

ذِکرِ الٰہی کی اہمیت

﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً وَّ دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ اور آپ اپنے رب کو جی ہی جی میں عاجزی اور خوف سے پست (ہلکی) آواز میں صبح وشام یاد کیا کریں اور غافلوں میں سے نہ ہو جائیں۔ (الاعراف:۲۰۵)

فقہ القرآن:

☆ ذکرِ الٰہی کی عظمت وفضیلت اور اہمیت ونافعیت مُسلَّم ہے، جیسا کہ قرآن وحدیث کے کئی مقامات پر اس کی وضاحت موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ اور اللہ کا ذکر ہر چیز سے بڑا ہے۔ (العنکبوت:۴۵)

نیز فرمایا: اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کیا کرو تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔ (الجمعہ:۱۰)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی مثال جو اپنے رب کو یاد کرتا ہے اور جو یاد نہیں کرتا (بالکل ایسے ہی ہے) جیسے زندہ اور مردہ کی ہے۔ (صحیح بخاری:۶۴۰۷، صحیح مسلم:۷۷۹)

مذکورہ آیت اور دیگر آیات واحادیث کی رُو سے صبح وشام کے اوقات میں ذکر واذکار کا خصوصی اہتمام کرنا چاہئے کیونکہ یہ عمل اپنے دامن میں بہت سے فوائد سمیٹے ہوئے ہے۔

☆ ذکرِ الٰہی آہستہ آواز میں، خشوع وخضوع اور عاجزی وانکساری سے کرنا چاہئے اور یہ اس کے آداب میں سے ہے۔

☆ اس آیت مبارکہ میں ان لوگوں کا رد ہے جن کے نزدیک ذکر صرف ''ہو، ہو'' کی ضربیں اور سانس کی تقدیم وتاخیر سے نئی نئی آوازیں پیدا کرنا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کا ذکر قلب کی بیداری اور قربِ الٰہی کا بہترین ذریعہ ہے۔

☆ ذکرِ الٰہی اور صبح وشام کے اذکار سے غفلت برتنے والوں کے لئے لمحۂ فکریہ ہے جو صبح سے شام تک فضولیات ولغویات میں اپنا قیمتی وقت ضائع کر دیتے ہیں۔

حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ

قرآن کی طرح حدیث بھی محفوظ ہے

'' پھر قرآن کے الفاظ کی حفاظت کرنا اور اس کے معانی کی حفاظت نہ کرنا، یہ کامل حفاظت نہیں ہے، بلکہ کامل حفاظت یہ ہے کہ جیسے قرآن کے الفاظ محفوظ ہیں، اسی طرح اس کے معانی بھی محفوظ ہوں۔ اور وہ اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ ان احادیث کی بھی حفاظت کی جائے، جن کا دین سے تعلق ہے۔

پس آیت [1] کا یہ مطلب ہوا کہ قرآن کے الفاظ اور اس کے بیان (حدیث) کی حفاظت کریں گے۔ اسی بنا پر ابن حزم رحمہ اللہ نے دعویٰ کیا ہے کہ جو حدیث محدثین کے طریق پر صحیح ہو، اور ہم کو باوجود تفتیش کثیر کے اس میں کسی قسم کا ضعف معلوم نہ ہو سکا، تو ایسی حدیث قطعاً رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ اس کے ضمن میں ان احادیث کی حفاظت کا وعدہ ہے، جو قرآن کا بیان ہیں (اور حقیقت میں تمام دینی حدیثیں جن کی من جانب اللہ تردید نہیں ہوئی، قرآن ہی کا بیان ہیں) بلکہ ابن حزم نے آیتِ مذکورہ میں جو لفظ ''ذکر'' آیا ہے، اس میں قرآن و حدیث دونوں کو شامل مانا ہے۔ اور کہا ہے کہ جو روایت بالاتفاق صحیح قرار دی گئی ہے، اس کے بیان کرنے میں راویوں کو خطا سے محفوظ مانا جائے گا۔ جیسے رسول اللہ ﷺ باوجود بشر ہونے کے دین کے بیان کرنے میں خطا پر برقرار رہنے سے معصوم ہیں۔ [2]
پس محفوظ ہونے میں قرآن و حدیث میں کوئی فرق نہیں۔ پس ایسی حدیث (جس کی صحت میں اختلاف نہ ہو) سے بھی علم حاصل ہوگا، نہ ظن۔''

(دوامِ حدیث جلد اول ص ۱۰۱)

---

① یقیناً ہم نے ذکر نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔/ الحجر:۹

② الاحکام فی اصول الاحکام لابن حزم ۱/۱۱۲، و مابعدہ